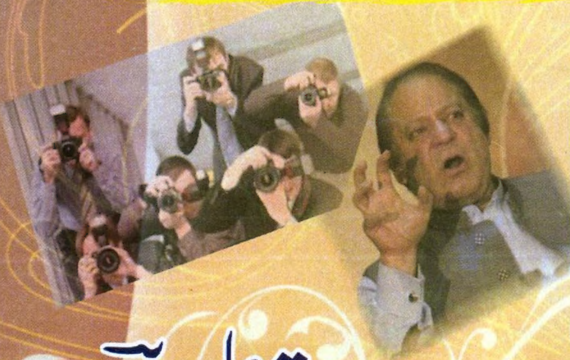
مقدمہ

شہیدِ ناموسِ رسالت

غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ



حکومتی و عدالتی قتل اور میڈیا کی بے حسی کی بدترین مثال





صادق علی زاہد

محترم محبوب الرسول قادری کے جذبہ عشق رسول کے نام
منجانب میاں نذیر اختر
22-10-16

نام کتاب:	غازی ملک محمد ممتاز قادری شہید کا مقدمہ
تحقیق وترتیب:	صادق علی زاہد
صفحات:	32
اشاعت:	اول: جولائی 2016ء، دوم: اگست 2016ء
کمپوزنگ:	محمد ابوبکر زاہد، محمد ابوتراب زاہد
سرورق	محمد اشفاق زائر قادری (رضا پرنٹرز ننکانہ صاحب)
قانونی مشیران:	**ختم نبوت لائرز فورم** ننکانہ صاحب
ناشر:	ختم نبوت ریسرچ سینٹر ننکانہ صاحب
قیمت:	50 روپے
ملنے کا پتہ:	ختم نبوت ریسرچ سینٹر محلہ بال لیلا ننکانہ صاحب

انتساب:
غازیان و شہیدان ناموسِ رسالت کے نام

مرتب کارابطہ: صادق علی زاہد (ناظم اعلیٰ مجلس تحفظِ ختم نبوت پاکستان فیضانِ اولیاء اللہ)
0300-4529446,0322-4529446
sazahid_2010@yahoo.com





غازی ملک محمد ممتاز قادری شہید کا مقدمہ

حکومتی وعدالتی قتل اور میڈیا کی بے حسی کی بدترین مثال

وہ غازیٔ ملت وہ دیں کا شیدائی — وہ غازی، وہ میرے نبی کا فدائی
شجاعت، بسالت، عزیمت کا پیکر — وہ غیرت حمیت کی جلوہ نمائی
بڑھا جب وہ قہرِ خدا وندی بن کر — بس اِک پل میں ظالم کی گردن اُڑائی
شہادت کی خاطر چُنا تھا خدا نے — بھلا اُس کو ملتی تو کیسے رہائی

قانون توہین رسالت کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے اور اس قانون کو کالا قانون کہہ کر جرمِ توہینِ رسالت کا اِرتکاب کرنے پر گورنر سلمان تاثیر کو جہنم واصل کر کے عالمی شہرت پانے والے غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ[1] کے مقدمہ تحفظِ ناموسِ رسالت کے چیدہ چیدہ حالات وواقعات کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

پس منظر:

14 جون 2009ء کو ننکانہ صاحب کے نواحی گاؤں چک نمبر 3 گ ب اِٹانوالی کی آسیہ[2] نامی ایک عیسائی مبلغہ نے نبی اکرم ﷺ، قرآن پاک اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی شان اقدس میں انتہائی گستاخانہ گفتگو کی[3]۔ اس پر گاؤں میں اشتعال پیدا ہوا تو حقیقت احوال جاننے کے لیے عیسائی اور مسلمان معززین کی مشترکہ پنچایت ہوئی۔ معززینِ پنچایت کے سامنے آسیہ نے اقرار کیا کہ وہ توہین رسالت وتوہینِ قرآن کی مرتکب ہوئی ہے لیکن اب وہ معافی چاہتی ہے۔ آسیہ کے برملا اقرار کے بعد گاؤں میں اشتعال پیدا ہونے لگا تو عیسائی اور مسلمان معززین نے باہم مشاورت سے طے کیا کہ گاؤں میں اشتعال اور فساد پیدا کرنے کی بجائے اس کے خلاف قانونی کاروائی کا راستہ اپنایا جائے۔ چنانچہ قاری محمد سالم کی مدعیت میں آسیہ کے خلاف تھانہ صدر ننکانہ صاحب میں درخواست گذاری گئی۔ تھانہ میں درخواست موصول ہونے پر آسیہ کی سرپرست NGO's نے واویلا شروع کردیا اور مسیحی مذہب کے پیروکار وفاقی وزیرِ اَقلیتی اُمور شہباز بھٹی نے اِس معاملہ میں بے جا مداخلت شروع کردی۔ اس کی مداخلت اور NGO's کے منفی پروپیگنڈہ کی وجہ سے مقامی پولیس نے روایتی لیت ولعل کا شکار رہی اور درخواست پر کاروائی ملتوی رکھ کر مقدمہ درج نہ کیا۔ جب لوگوں میں غم وغصہ شدید ہونے لگا اور پولیس کو بھی اپنی خفیہ رپورٹوں سے بخوبی علم ہوگیا کہ آسیہ واقعتاً جرم توہینِ رسالت وتوہینِ قرآن کی مرتکب ہوئی ہے تو 19 جون 2009ء کو اس کے خلاف مقدمہ[4] نمبر 326/09 بجرم 295/C تعزیرات پاکستان

درج[5] کر کے اُس کے گھر سے گرفتار کر لیا گیا۔ ضابطہ کے مطابق جرم 295/C تعزیرات پاکستان کی تفتیش SP عہدہ کا پولیس آفیسر کرتا ہے۔ اُن دنوں اِتفاق سے ضلع ننکانہ صاحب میں تعینات SP انویسٹیگیشن کا تبادلہ ہو چکا تھا اور نیا SP تا حال تعینات نہ ہوا تھا اس وجہ سے ضلع ننکانہ صاحب کے شعبہ انویسٹیگیشن کی سربراہی بھی سید محمد امین بخاری SP انویسٹیگیشن شیخوپورہ ہی کر رہے تھے۔ لہذا اس سنگین وحساس مقدمہ کی تفتیش سید محمد امین بخاری SP انویسٹیگیشن شیخوپورہ کے سپرد ہوئی۔ سید محمد امین بخاری نے جو پنجاب پولیس میں امانت ودیانت کے پیکر ہیں، بڑی ذمہ داری اور انتہائی جانفشانی سے اس مقدمہ کی تفتیش کی[6] اور ملزمہ کو گناہ گار قرار دیا[7]۔ مقدمہ کا چالان مکمل ہونے پر 18 ستمبر 2009ء کو عدالت میں پیش ہوا اور بطور سیشن ٹرائل نمبر 402/09 بعدالت جناب محمد نوید اقبال صاحب ایڈیشنل سیشن جج ننکانہ صاحب 29 ستمبر 2009ء کو ساعت کا آغاز ہوا۔ تقریباً چودہ ماہ تک کیس عدالت میں زیر ساعت رہا۔ عدالت نے بڑے تحمل اور بردباری سے مقدمہ کی ساعت کی۔ ملزمہ کو اپنی صفائی کا پورا پورا موقع فراہم کیا۔ ملزمہ کی طرف سے پیروی مقدمہ کے لئے ننکانہ صاحب بار کے سنیئر وکیل پیش ہوئے جبکہ ملزمہ کی سرپرست NGO's نے لاہور سے بھی کئی نامور وکلاء کو بھاری فیسیں دے کر اُن کی خدمات حاصل کیں جو لاہور سے آکر مقدمہ کی پیروی کرتے رہے۔ جبکہ اِستغاثہ کی طرف سے میاں ذوالفقار علی ایڈووکیٹ (رُکن مجلسِ شوریٰ وقانونی مشیر مجلس تحفظِ ختم نبوت پاکستان فیضانِ اَولیاء اللہ ننکانہ صاحب) نے مقدمہ کی پیروی کی اور امیرِ مجلس مہر محمد اسلم ناصر ایڈووکیٹ کی سربراہی میں وکلا کی ٹیم اُن کی معاونت کرتی رہی۔ مقدمہ کی ساعت کرنے والے معزز جج نے دوران ساعت ایک موقع پر سب لوگوں کو عدالت سے باہر نکال کر ملزمہ سے کہا کہ اُس پر کسی قسم کا کوئی دباؤ نہیں وہ اپنی صفائی میں جو کچھ کہنا چاہتی ہے آزادی سے کہہ سکتی ہے۔ اس موقع پر بھی ملزمہ نے برملا جرم توہینِ رسالت کا اقرار کیا اور عدالت سے کم سے کم سزا کی استدعا کی۔ معزز عدالت نے انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے بعد 8 نومبر 2010ء کو ملزمہ کو گنہگار قرار دے کر سزائے موت اور ایک لاکھ روپے جرمانہ کی سزا سنادی۔ مقدمہ کی کاروائی کا خلاصہ تحریر کرنے کے بعد معزز جج صاحب نے لکھا:

"مندرجہ بالا بحث کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ استغاثہ نے اس مقدمہ کو کسی شک وشبہ سے بالاتر ثابت کردیا ہے۔
تمام استغاثہ گواہان نے استغاثہ کے مؤقف کی متفقہ اور مدلل انداز میں تائید وتصدیق کی ہے۔ استغاثہ گواہان اور ملزمہ، اُن کے بزرگوں، یا اُن کے خاندانوں میں کسی دشمنی کا وجود نہیں پایا جاسکا۔ لہذا ملزمہ خاتون کو اس مقدمہ میں ناجائز طور پر ملوث کیے جانے کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ ملزمہ کو اس مقدمہ میں کوئی رعایت دیئے جانے کا بھی کوئی جواز موجود نہیں۔ لہذا میں ملزمہ آسیہ بی بی زوجہ عاشق مسیح کو زیر دفعہ 295/C تعزیرات پاکستان موت کی سزا کا مجرم ٹھہراتا ہوں۔ ملزمہ کو اس کی موت واقع ہونے تک

گردن سے لٹکایا جائے ۔تاہم سزائے موت پر عملدرآمد اُس وقت تک ملتوی رہے گا، جب تک معزز عدالت عالیہ لاہور سے اس فیصلے کی تصدیق نہیں ہو جاتی۔ مجرمہ عدالت کے روبرو حراست میں موجود ہے۔جس کو بتادیا گیا ہے کہ وہ اس فیصلہ کے خلاف سات روز کے اندر اپیل کر سکتی ہے۔اس کو ایک لاکھ روپے جرمانہ کی ادائیگی کا بھی حکم دیا جاتا ہے جس کی عدم ادائیگی کی صورت میں اس کو چھ ماہ کی مزید قید محض دی جائے گی۔ فیصلے کی نقل ملزمہ کو بغیر کسی ادائیگی کے فراہم کی جائے گی۔ فائل مکمل کئے جانے کے بعد ریکارڈ روم میں محفوظ کی جاوے[8]"۔

اس فیصلہ کی خبر جب میڈیا پر پہنچی تو ملک بھر میں گویا ایک طوفان اُٹھ کھڑا ہوا۔ قادیانی اور عیسائی لنگر لنگوٹ کس کر میدان میں آ گئے۔ ۔دنیا بھر کی سیکولر لابیاں اور نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس فیصلہ کے خلاف آسمان سر پر اُٹھالیا۔ یہاں تک کہ پوپ بینڈ کٹ 16 نے بھی اس فیصلہ کی مذمت کرتے ہوئے آسیہ کی رہائی کا مطالبہ کر دیا۔ بلا ماشاء اللہ کفر کے ٹکڑوں پر پلنے والے نام نہاد میڈیا نے اس کیس اور فیصلہ کی خوب منفی تشہیر کی۔ زر خرید نام نہاد اینکر پرسن اور کرائے کے عادی دانشور ڈالروں اور پاؤنڈوں میں لتھڑ کر میڈیا پر نمودار ہونا شروع ہوئے۔ اور اس مقدمہ کے حالات وواقعات سے کلی طور پر لاعلم ہونے کے باوجود ایسی دور کی کوڑیاں ملاتے رہے کہ الامان والحفیظ۔ میڈیا پر تو گویا" کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا، بھان متی نے کنبہ جوڑا" والا معاملہ بنا ہوا تھا۔ اور عیسائی پوپ بینڈ یکٹ 16 کی طرف سے آسیہ کی رہائی کی اپیل کے فوراً بعد حکومتی سطح پر غیر معمولی سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ سلمان تاثیر جو پیپلز پارٹی کی وفاقی حکومت[9] کی طرف سے پنجاب کی گورنری پر متمکن تھا۔ 20 نومبر 2010ء کو اپنی بیوی آمنہ تاثیر اور بیٹی شہر بانو تاثیر کو ساتھ لے کر شیخوپورہ جیل پہنچا۔ اپنے عہدہ اور حلف کو پسِ پُشت ڈال کر، ملکی قانون کو رَوندتے ہوئے جیل میں قید، سزائے موت کی مجرمہ آسیہ سے نہ صرف ملاقات کی بلکہ اُسے اپنے ساتھ بٹھا کر پریس کانفرنس کی۔ اس کانفرنس میں گورنر نے مقدمہ کے بارے میں پولیس اور عدلیہ کی کئی ماہ کی انکوائری اور تحقیقات پر بیٹھے بٹھائے قلم پھیر کر ملزمہ کو بے گناہ قرار دے دیا اور اسے جلد ہی اُسے بری کر دیئے جانے کی نوید سنا دی۔ پاکستان کی تاریخ میں یہ سانحہ پہلی مرتبہ رونما ہوا کہ کسی سزائے موت کی مجرمہ کی معافی کی درخواست گورنر ہاؤس میں لکھی گئی، گورنر اپنے خاندان سمیت یہ درخواست اور میڈیا کی ٹیم ساتھ لے کر جیل میں پہنچا اور سزائے موت کی مجرمہ کو اپنے ساتھ بٹھا کر پریس کانفرنس کرتے ہوئے میڈیا کے سامنے اپنی تیار کردہ معافی کی درخواست پر مجرمہ کا انگوٹھا لگوایا۔ اور اعلان کر دیا کہ آسیہ کی معافی کی درخواست لے کر میں خود صدر پاکستان آصف علی زرداری کے پاس جاؤں گا اور سزا معاف کروالوں گا۔ گورنر کی اُس متنازعہ اور غیر آئینی پریس کانفرنس کی ویڈیو آج بھی سوشل میڈیا پر موجود ہے۔ دوران

کانفرنس سلمان تاثیر کی لٹکتی زبان سے نہ ملکی قانون محفوظ رہا اور نہ ہی قانون تحفظِ ناموسِ رسالت۔ دوران کانفرنس اُس نے کہا:

"اپنے طور پر تحقیقات کر لی ہے۔ آسیہ بی بی بے گناہ ہے۔ اسے سزا نہیں ہوسکتی۔ اسے قائدِ اعظم اور ذوالفقار علی بھٹو کے دیئے ہوئے قانون کے تحت نہیں، ضیاء الحق کے کالے قانون کے تحت موت کی سزادی گئی۔ اس فیصلہ سے عالمی برادری میں ہمارا مذاق بن گیا ہے۔ صدر ایک ہفتہ میں اپیل کا فیصلہ کریں گے [10]۔"

گورنر کی بدکلامی سے محبِ وطن پاکستانیوں کے دل بہت دُکھے اور ناموسِ رسالت کے خلاف اس کی دریدہ دہنی نے تو گویا عاشقانِ رسول کے سینے ہی چھلنی کر دیئے۔ ہر طبقہ فکر نے گورنر کے اس غیر آئینی اقدام کی نا صرف مذمت کی بلکہ اُس سے عہدہ چھوڑنے کا بھی مطالبہ کیا گیا۔ 21 نومبر 2010ء اور اس کے بعد کے ایام کے اخبارات کی خبریں، اداریئے اور ادارتی مقالات وشذرات گورنر کے غیر آئینی اقدام کی مذمت سے بھرے پڑے ہیں۔ گورنر کے اس غیر قانونی فعل پر تبصرہ کرتے ہوئے ملک کے معروف قانون دان جناب ممتاز مصطفیٰ وائس چیئر مین پنجاب بار کونسل اور سینئر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ جناب اے کے ڈوگر نے کہا:

"ایک سزا یافتہ خاتون کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس بالکل غلط اور ملکی قانون کی دھجیاں اڑانے کے مترادف ہے۔ جو لوگ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی پاسداری کا حلف اٹھا کر عہدوں پر بیٹھے ہوئے ہیں انہیں ملکی قانون کے ساتھ ساتھ اسلام اور اسلامی شعائر کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔ گورنر نے جو کچھ کیا یہ گستاخانِ رسول کی حوصلہ افزائی کے مترادف ہے۔ یہ تعزیرات پاکستان کے حوالے سے بھی مناسب نہیں۔ اگر گورنر سمیت ملک کے دیگر حکام کا بھی رویہ رہا تو پھر ایسے توہین آمیز واقعات کا سدِ باب کیونکر ممکن ہوگا[11]۔"

عوامی ناپسندیدگی اور دباؤ کے باوجود سلمان تاثیر نے اپنے اس غیر آئینی اقدام پر معذرت کی بجائے بڑی ڈھٹائی سے آسیہ کی حمایت اور قانون تحفظ ناموسِ رسالت کے خلاف بیان بازی جاری رکھی۔ اور کیس کو "جھوٹا" عدالتی کاروائی کو "سفاکانہ" اور "درشت" قرار دیا۔ اُس نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ:

"اگر ہائی کورٹ ماتحت عدالت کے فیصلے کو مان لیتی ہے اور آسیہ کی سزائے موت کے فیصلے کو قائم رکھتی ہے تو بھی آسیہ کی رہائی کو کوئی نہیں روک سکتا۔ کیونکہ صدرِ مملکت اپنے اختیارات استعمال کرتے ہوئے آسیہ کو "معاف" کر دیں گے [12]۔"

گورنر نے سزا یافتہ مجرمہ کو اپنے ساتھ بٹھا کر پریس کانفرنس کر کے عیسائی اور یہودی دنیا میں آسیہ کے حامیوں کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی حکومت آسیہ کو سزا دینے کے حق میں نہیں۔ عالمی میڈیا میں گورنر کی طرف سے آسیہ کی رہائی کے

لئے کی جانے والی ذاتی کوششوں کی وسیع پیمانے پر ستائش کی گئی اور ان اُمیدوں کا برملا اظہار کیا جانے لگا کہ گورنر پنجاب کی کوششوں سے جلد ہی صدرِ پاکستان آسیہ کو معافی دے دیں گے اور اُسے جیل سے رہا کر دیا جائے گا۔ آسیہ کو ڈسٹرکٹ جیل شیخوپورہ سے رہا کر کے کسی نامعلوم مقام پر منتقل کرنے کی خبریں بھی اخبارات میں جلی سُرخیوں کے ساتھ شائع ہوئیں۔ انہی ایام میں پیپلز پارٹی کی رکن قومی اسمبلی و وفاقی وزیر اطلاعات ونشریات شیری رحمان نے توہینِ رسالت ایکٹ میں ترمیم کا بل قومی اسمبلی سیکرٹریٹ میں جمع کروادیا۔ ممکن تھا کہ پیپلز پارٹی کی حکومت اپنے مغربی سرپرستوں کو اپنے لبرل ازم اور روشن خیالی کا ثبوت دینے کی غرض سے آسیہ کو ماورائے قانون وعدالت رہا کر کے بیرونِ ملک فرار کرا دیتی کہ 29 نومبر 2010ء کو چیف جسٹس لاہور ہائی کورٹ خواجہ محمد شریف نے ایک درخواست پر حکم سناتے ہوئے وفاقی اور صوبائی حکومتوں اور گورنر پنجاب کو آسیہ کے ہائی کورٹ میں زیرِ سماعت کیس کے فیصلہ تک اس کی رہائی کی بابت کوئی بھی اقدام اٹھانے سے روک دیا[13] اس طرح گورنر آسیہ کو ماورائے قانون رہا کرنے کے منصوبے پر عمل تو نہ کرواسکا تاہم قانون تحفظِ ناموسِ رسالت کے خلاف اس کی توہین آمیز بیان بازی بدستور جاری رہی۔ قانون تحفظِ ناموسِ رسالت کو کالا قانون کہنے اور گستاخِ رسول ملعونہ آسیہ کی بے جا حمایت و ہمدردی اور سرپرستی کرنے اور شعائرِ اسلامی کا مذاق اُڑانے کی وجہ سے ملک بھر کے جید علمائے کرام نے 30 نومبر 2010ء کو ایک مشترکہ بیان میں سلمان تاثیر کو گستاخِ رسول قرار دیتے ہوئے دائرہ اسلام سے خارج قرار دے دیا اور اُس سے مطالبہ کیا کہ وہ گورنر کا عہدہ چھوڑ دے۔

آسیہ مسیح نے سیشن کورٹ ننکانہ صاحب کے فیصلہ کے خلاف لاہور ہائی کورٹ لاہور میں فوجداری اپیل نمبر 2509/2010 دائر کی۔ استغاثہ کی جانب سے جناب غلام مصطفٰے چوہدری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے ختم نبوت لائرز فورم کے وکلاء کے پینل کے ساتھ پیروی کی۔ 16 اکتوبر 2014ء کو جسٹس سید شہباز علی رضوی اور جسٹس محمد انوار الحق پر مشتمل ڈویژن بنچ نے ملزمہ کی اپیل مسترد کرتے ہوئے اس کی سزائے موت کی توثیق کردی۔ اب ملعونہ ملزمہ کی اپیل سپریم کورٹ آف پاکستان میں زیرِ سماعت ہے۔ اور جناب غلام مصطفٰے چوہدری ایڈووکیٹ سپریم کورٹ پیروی کر رہے ہیں۔

غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ کا ردِ عمل:

غازی ملک محمد ممتاز قادریؒ 2003ء میں پنجاب پولیس میں بطور سپاہی (6990/C) بھرتی ہوئے۔ اپریل 2008ء میں ایلیٹ فورس میں شامل ہوگئے۔ ایلیٹ فورس میں تعیناتی کے دوران آپؒ کی پیشہ وارانہ مہارت کے پیشِ نظر آپ کو انتہائی اہم اور حساس ترین ڈیوٹیوں پر مامور رکھا گیا۔ اپریل 2008ء سے 4 جنوری 2011ء تک آپؒ نے جو انتہائی اہم اور حساس ترین ڈیوٹیاں سرانجام دیں ان

میں سے صدر پاکستان کے ساتھ 2، وزیراعظم پاکستان کے ساتھ 8، میاں نواز شریف صدر پاکستان مسلم لیگ کے ساتھ 9، گورنر پنجاب کے ساتھ 9، وزیراعلیٰ پنجاب کے ساتھ 8، وزیراعلیٰ بلوچستان کے ساتھ 1، اپوزیشن لیڈر قومی اسمبلی کے ساتھ 1، رحمان ملک وزیر داخلہ پاکستان کے ساتھ 1، ایم این اے کیپٹن (ر) محمد صفدر (داماد میاں نواز شریف) کے ساتھ 1 اور چوہدری پرویز الٰہی (سابق وزیراعلیٰ پنجاب وسابق ڈپٹی وزیراعظم پاکستان) کے ساتھ 12 ڈیوٹیاں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ جی ایچ کیو، آئی جی آفس، ڈی آئی جی آفس، RPO آفس اور ایرانی وکویتی وفود کے ساتھ ساتھ دیگر کئی غیر ملکی وفود کے ساتھ بھی انتہائی اہم اور حساس سکیورٹی ڈیوٹیاں سرانجام دیتے رہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اپنے محکمہ میں آپ اپنی پیشہ وارانہ مہارت کا لوہا منوا چکے تھے اور اپنے اعلیٰ افسروں کے لئے قابلِ اعتماد تھے۔ نہ کبھی آپ نے اپنی ذمہ داری نبھانے میں کوئی غفلت کی اور نہ ہی آپ کی نیت پر کبھی شک کیا گیا۔ لیکن ناموسِ رسالت کے بارے میں سلمان تاثیر کی دریدہ دہنی نے آپؒ کا سینہ چھلنی کردیا۔ جب یہ بات آپؒ کے علم میں آئی کہ پاکستانی قانون گورنر کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور جب تک وہ اس عہدہ پر فائز ہے نہ اُس کے خلاف کوئی مقدمہ درج کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی اُس کے خلاف کوئی کاروائی کی جاسکتی ہے۔ تو جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر آپؒ نے خود اُسے جہنم واصل کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ تاکہ لوگوں کو یہ واضح پیغام پہنچ جائے کہ مسلمان توہینِ رسالت برداشت نہیں کرسکتا اور کوئی بڑے سے بڑا عہدہ بھی شاتمِ رسول کو جہنم واصل ہونے سے نہیں بچا سکتا۔ چنانچہ 4 جنوری 2011ء کو آپؒ، سلمان تاثیر کی سکیورٹی پر مامور سکواڈ میں شامل تھے۔ سوا چار بجے شام جب وہ کوہسار مارکیٹ اسلام آباد میں ایک ہوٹل میں اپنے دوست شیخ وقاص کے ساتھ کھانا کھا کر باہر نکلا تو اُس کے گاڑی میں سوار ہونے سے قبل ہی آپؒ نے فائرنگ کر کے اُسے جہنم واصل کردیا۔

بد زبانی کو سکھایا ہے سبق — عشق کا تو بن گیا ہمراز ہے
قتل کر کے ایک بے تاثیر کو — خود کو ثابت کردیا شہباز ہے
دم بخود گستاخ تیرے سامنے — منہ چھپائے ہر کوئی طناز ہے

غازی صاحبؒ کی عوامی مقبولیت اور سلمان تاثیر سے عوامی نفرت کا اظہار:

غازی صاحبؒ کے اس جرأت مندانہ اقدام کو پوری امتِ مسلمہ نے بہت سراہا اور ہیرو کی طرح آپؒ کی پذیرائی کی۔ راولپنڈی اور اسلام آباد کے ڈیڑھ سو سے زائد وکلاء نے غازی صاحبؒ کے کیس کی بلا معاوضہ پیروی کا اعلان کیا۔ وکلاء اور عوام کا ایک کثیر ہجوم آپؒ کی صرف ایک جھلک دیکھنے کا شوق لئے غازی صاحب کے گذرنے کے راستہ پر گھنٹوں کھڑا رہتا۔ جب آپ کو بکتر بند گاڑی میں بٹھا کر عدالت لایا جاتا تو لوگ دیوانہ وار آپؒ کی گاڑی پر منوں پھول نچھاور کرتے اور گاڑی کو ہاتھ لگا لگا کر چومتے رہتے[14]۔ دوسری طرف مقتول سلمان تاثیر سے عوامی نفرت اور ناپسندیگی یہاں تک پہنچ گئی کہ قتل کے بعد کوئی عالم دین اُس کی نماز جنازہ پڑھانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ بادشاہی

مسجد وداتا دربار مسجد سمیت جملہ سرکاری مساجد کے آئمہ نے سلمان تاثیر کی نماز جنازہ پڑھانے سے صاف انکار کردیا۔ حتیٰ کہ گورنر ہاؤس کے امام وخطیب قاری اسماعیل نے کہا کہ نوکری چھوڑ سکتا ہوں لیکن گورنر کی نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا۔ بالآخر مجبور ہو کر پیپلز پارٹی کے کسی افضل چشتی نامی داڑھی والے جیالے سے مقتول گورنر کی نماز جنازہ کی امامت کروائی گئی[15]۔

غازی صاحبؒ کے عمدہ اقدام پر فوری ردِ عمل:

جس وقت غازی ملک محمد ممتاز قادریؒ نے سلمان تاثیر کو جہنم واصل کیا اس سے قبل پیپلز پارٹی کی حکومت میں شامل اور بھی بہت سی مقتدر شخصیات قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت کے خلاف زبان درازی کر رہی تھیں۔ وفاقی وزیر شیری رحمان نے تو اِس قانون میں ترمیم کے لیے قومی اسمبلی میں بل پیش کردیا تھا۔ مگر اس مردِ آہن کی ایک ہی ضربِ کاری سے سب کی لکتی زبانیں گُنگ ہو گئیں اور ہر کوئی قانونِ تحفظِ ناموسِ رسالت کا محافظ بننے لگا۔ یہاں تک کہ سیکولر سیاسی جماعت کہلانے کی دعویدار حکمران پیپلز پارٹی کے وزیر داخلہ رحمان ملک نے بیان دیا کہ "توہینِ رسالت کرنیوالے کو خود گولی ماردونگا" [16]۔ شیری رحمان نے اس قانون میں ترمیم کے لئے قومی اسمبلی میں پیش کیا گیا اپنا بل فوری واپس لے لیا۔ جبکہ 8 فروری 2011ء کو وزیر اعظم پاکستان سید یوسف رضا گیلانی کی طرف سے وزیر اعظم سیکرٹریٹ سے باقاعدہ نوٹیفیکشن جاری کیا گیا کہ حکومت اِس قانون میں کسی بھی قسم کی ترمیم کا ارادہ نہیں رکھتی۔ اور اس قانون کا تحفظ بھی اُسی طرح یقینی بنائے گی جس طرح دیگر قوانین کا تحفظ کیا جاتا ہے۔

غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ کا مقدمہ:

غازی صاحبؒ پر سلمان تاثیر کے قتل کا مقدمہ نمبر 06/11 بجرم ATA/(a)7'302/109 تھانہ کوہسار اسلام آباد میں سواپانچ بجے درج ہوا[17]۔ دورانِ تفتیش ایس پی کے سامنے بیان ریکارڈ کرواتے ہوئے غازی صاحب نے بڑے فخر اور دلیری کے ساتھ کہا:

"سلمان تاثیر نے توہین رسالت کی، اسی وجہ سے میں نے اُسے قتل کیا۔ مجھے اپنے فعل پر ہرگز کوئی افسوس اور ندامت نہیں بلکہ میں خوش اور مطمئن ہوں۔ اور خواہش ہے کہ سرکار ﷺ بس اپنی غلامی میں قبول کرلیں[18]"۔

غازی ملک محمد ممتاز قادری کے خلاف مقدمہ کی جانبدارانہ اور حکومتی دباؤ کے تحت تفتیش مکمل ہونے کے بعد مقدمہ کا چالان انسداد دہشت گردی عدالت نمبر 2 راولپنڈی اسلام آباد میں پیش ہوا۔ جہاں پر انسداد دہشت گردی عدالت 2 راولپنڈی کے جج پرویز علی شاہ [19] نے قانون وانصاف کے تقاضے پورے

کئے اور نہ ہی کئی اہم گواہان مقدمہ کو طلب کیا[20] اور نہ ہی غازی صاحب کے وکیلوں کو جوابی بحث کا مناسب موقع دیا[21]۔ یکم اکتوبر 2011ء کو دہشت گردی ایکٹ اور قتل کے جرموں میں غازی صاحب کو علیحدہ علیحدہ (دو بار) سزائے موت اور ایک ایک لاکھ روپے جرمانہ عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں مزید چھ ماہ قید کی سزا سنادی۔ سزا سُن کر عاشق رسول غازی صاحب نے کسی دکھ اور افسوس کا اظہار نہیں کیا بلکہ فرطِ مسرت سے جھومنا شروع کردیا۔ اور ملاقات کے لئے آنے والے اپنے اہل خانہ کو مبارک باد دی اور اپنے بھائی سے کہا کہ میرے لئے نئے کپڑے لے کر آؤ اور مٹھائیاں تقسیم کرو کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے قبول فرمالیا ہے۔ غازی صاحب کی بلند حوصلگی اور جج موصوف کی بدبختی کا اندازہ لگانے کے لئے فیصلہ کے بعد شائع ہونے والے تبصرے اور خبریں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔ ایک قومی اخبار میں شائع ہونے والی خبر اس طرح ہے:

"راولپنڈی دہشت گردی کی عدالت نمبر 2 کے جج پرویز علی شاہ نے سابق گورنر پنجاب سلمان تاثیر کے قتل کیس کا فیصلہ سناتے ہوئے ایلیٹ فورس کے اہلکار ممتاز حسین قادری کو دو بار سزائے موت اور دو لاکھ روپے جرمانہ کا حکم سنایا ہے۔ اس موقع پر استغاثہ اور صفائی کے وکلاء موجود نہیں تھے۔ ممتاز قادری کو اڈیالہ جیل پولیس کے اہلکاروں نے ہتھکڑی پہنا کر خصوصی عدالت میں پیش کیا تو فاضل جج نے فیصلہ سناتے ہوئے پوچھا کہ ممتاز قادری آپ ہیں؟ اثبات میں جواب ملنے پر انہوں نے کہا کہ "آپ نے جو کام کیا ہے وہ اسلام کی روح سے ٹھیک ہے مگر ملکی قانون میں آپ کو دفعہ 302 بی کے تحت سزائے موت، ایک لاکھ روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں چھ ماہ قید کی سزا سنائی جاتی ہے، جرمانے کی یہ رقم مقتول کے ورثاء کو ادا کی جائے گی۔ دفعہ ATA(a)7 کے تحت سزائے موت ایک لاکھ روپے جرمانہ اور عدم ادائیگی جرمانہ کی صورت میں چھ ماہ قید کی سزا سنائی جاتی ہے۔"

ممتاز قادریؒ نے فیصلہ سننے کے بعد جج سے پوچھا کہ "آپ نے فیصلہ دے دیا ہے؟" تو فاضل جج نے فیصلہ دہرایا۔ اس پر ممتاز قادریؒ کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا اور مسکراہٹ اُن کے چہرے پر پھیل گئی۔ اس پر فاضل جج نے کہا کہ "آپ کو شیخ جنید بغدادیؒ کے دور میں نعرۂ انا الحق بلند کرنے پر منصور کو سزا ملنے کے واقعہ کا علم ہے؟" تو ممتاز قادریؒ نے دوبارہ استفسار کیا اور کہا مجھے اس واقعہ کا علم نہیں۔ فاضل جج نے پانچ صفحات پر مشتمل فیصلہ ممتاز قادری کو دیا۔ جس میں چودہ گواہوں کی شہادتوں کی روشنی میں دونوں دفعات میں دو بار سزائے موت اور دو لاکھ روپے جرمانے کی سزا دی گئی اور کہا گیا کہ ملزم نے کہا ہے کہ مرتد کو مارا ہے، قتل نہیں کیا۔ اس طرح اس نے اعترافِ جرم کیا ہے۔ فیصلے کی رو سے

ممتاز قادری سزا کے خلاف سات روز کے اندر ہائیکورٹ میں اپیل دائر کر سکتے ہیں۔ خصوصی عدالت کے جج اڈیالہ جیل میں فیصلہ سنانے کے فوراً بعد انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت میں واپس آگئے جہاں سیکورٹی سخت کردی گئی تھی۔ اڈیالہ جیل کے باہر غیر معمولی حفاظتی انتظامات کئے گئے تھے۔ پولیس کی بھاری نفری تعینات کی گئی تھی۔ وکلائے صفائی ملک محمد رفیق ایڈووکیٹ، راجہ محمد طارق دھمیال ایڈووکیٹ اور راجہ شجاع الرحمٰن ایڈووکیٹ نے عدالتی فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ فیصلے کے خلاف ہائیکورٹ میں اپیل دائر کی جائے گی۔ اس سلسلے میں ممتاز قادریؒ نے عدالتی فیصلے کی کاپی جیل میں ملاقات کے دوران اپنے وکلاء کو دے دی ہے۔ راجہ محمد طارق دھمیال نے کہا ہے کہ آج ہم نے عدالت میں انسدادِ دہشت گردی ایکٹ کی دفعہ سات کے لاگو نہ ہونے کے بارے میں درخواست دینی تھی۔ جبکہ وکیل استغاثہ سیف الملوک نے بحث کرنا تھی۔ مگر فریقین کے وکلاء پہنچنے سے پہلے ہی جیل میں فیصلہ سُنا دیا گیا۔ جبکہ ہمارے رابطہ کرنے پر کچھ نہیں بتایا گیا۔ بعد میں فیصلہ سنائے جانے کی اطلاع ملی۔ راجہ محمد طارق دھمیال نے نوائے وقت سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ممتاز قادریؒ کی سزائے موت کے خلاف سات روز کے اندر اسلام آباد ہائی کورٹ میں اپیل دائر کردی جائے گی" [22]۔

انسدادِ دہشت گردی عدالت راولپنڈی کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے کے لئے جامعہ اسلامیہ لاہور (مفتی محمد خاں قادری کے مدرسہ) میں میٹنگ ہوئی۔ دہشت گردی عدالت کے فیصلہ کا جائزہ لینے کے بعد جسٹس (ر) میاں نذیر اختر صاحب نے اپیل کی ڈرافٹنگ کروائی اور غلام مصطفٰے چوہدری ایڈووکیٹ نے ڈرافٹنگ کے مطابق اپیل کمپیوٹر پر تحریر کر کے راولپنڈی ارسال کردی جہاں پر ملک محمد رفیق خاں ایڈووکیٹ سپریم کورٹ آف پاکستان، ملک جواد خالد ایڈووکیٹ سپریم کورٹ (صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن راولپنڈی)، ہارون الرشید ایڈووکیٹ سپریم کورٹ (صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن اسلام آباد) اور راجہ شجاع الرحمٰن ایڈووکیٹ ہائی کورٹ اور راجہ محمد طارق دھمیال ایڈووکیٹ ہائی کورٹ اور سید حبیب الحق شاہ ایڈووکیٹ ہائی کورٹ کے ذریعے انسداد دہشت گردی عدالت ii راولپنڈی کے غیر منصفانہ فیصلہ کے خلاف اسلام آباد ہائی کورٹ میں کریمنل اپیل نمبر 90/2011 دائر کی۔ اپیل کی پیروی جسٹس (ر) میاں نذیر اختر نے کی جبکہ نذیر احمد غازی ایڈووکیٹ کا وکالت نامہ بھی حاصل کیا گیا بعد ازاں چیف جسٹس (ر) خواجہ محمد شریف بھی وکلاء پینل میں شامل ہو گئے۔ دوران سماعت تفصیلی بحث جناب جسٹس (ر) میاں نذیر اختر (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ) نے کی جبکہ غلام مصطفٰے چوہدری ایڈووکیٹ نے آپ کی معاونت کی۔ اور چیف جسٹس (ر) خواجہ محمد شریف (ایڈووکیٹ سپریم کورٹ) نے بھی

اپنے دلائل مختصراً پیش کئے۔ اسلام آباد ہائی کورٹ نے 9 مارچ 2015ء کو اپیل جزوی طور پر منظور کرتے ہوئے دہشتگردی کی دفعات ختم کر کے دہشت گردی ایکٹ کے تحت دی جانیوالی سزائے موت منسوخ کردی جبکہ قتل کی دفعات کے تحت سزائے موت بحال رکھی۔

جسٹس (ر) میاں نذیر اختر نے اسلام آباد ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف غازی صاحبؒ کی طرف سے سپریم کورٹ آف پاکستان میں اپیل دائر کرنے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے درخواست نمبر 197/15 دائر کی۔ 14 مئی 2015ء کو آپ نے اس درخواست پر بحث کی۔ دوران بحث جج نے بہت سخت سوالات کئے اور بڑا تند و تیز لہجہ اپنایا مگر آپ نے بڑی ہمت اور جوانمردی کے ساتھ عدالت کو فیس کیا اور اپنے مؤقف کے حق میں مضبوط دلائل دیئے۔ آپ کی بحث پر سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے کی درخواست منظور کر لی گئی۔ درخواست منظور ہونے پر اپیل نمبر 210/2015 دائر ہوئی۔ جبکہ دہشت گردی کی دفعات ختم کرنے کے فیصلہ کے خلاف حکومت کی طرف سے اپیل نمبر 211/2015 دائر ہوئی۔ دونوں اپیلیں 5 اکتوبر 2015ء کو سماعت کے لئے پیش ہوئیں۔ سپریم کورٹ کے جج جسٹس آصف سعید خاں کھوسہ، جسٹس مشیر عالم اور جسٹس دوست محمد خاں پر مشتمل بنچ نے اپیل کی سماعت کی۔ سپریم کورٹ میں اپیل کی سماعت شروع ہوئی تو عدالت نے غازی صاحبؒ کے وکلاء جسٹس (ر) میاں نذیر اختر، چیف جسٹس (ر) خواجہ محمد شریف اور غلام مصطفٰے چوہدری ایڈووکیٹس سپریم کورٹ آف پاکستان سے دریافت کیا کہ وہ بحث کے لئے کتنا وقت لیں گے۔ جواباً جسٹس (ر) میاں نذیر اختر ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے کہا کہ انہیں کم از کم سات دن بحث کے لئے درکار ہونگے۔ جبکہ دوسرے کونسل چیف جسٹس (ر) خواجہ محمد شریف ایڈووکیٹ سپریم کورٹ نے کہا کہ وہ میاں نذیر اختر کے بعد زیادہ وقت نہیں لیں گے اور مختصر وقت میں اپنی بحث مکمل کر لیں گے۔ کیس کی حساسیت اور بین الاقوامی اہمیت کے باوجود عدالت نے انتہائی عجلت کے ساتھ سماعت کی اور کو بحث کے لئے غازی صاحب کے وکلاء صرف دو دن کا وقت دیا۔ اتنے ہائی پروفائل کیس پر دلائل کے لئے یہ وقت بہت ہی کم تھا بلکہ عملاً عدم سماعت کے مترادف تھا۔ دو دن کی بحث میں جسٹس (ر) میاں نذیر اختر کے دلائل ختم نہ ہوئے تو تیسرے دن یعنی سات اکتوبر کو سماعت کا آغاز ہوتے ہی جسٹس صاحبان نے کہا کہ آج ہر صورت بحث ختم کریں۔ اس پر جسٹس (ر) میاں نذیر اختر نے کہا کہ میں نے عدالت کے اندازِ سماعت سے اندازہ لگا لیا ہے کہ عدالت مجھے اپنے دلائل مکمل نہیں کرنے دے گی۔ چنانچہ میں نے اپنے دلائل احتیاطاً تحریری بحث کی صورت میں قلمبند کر رکھے ہیں اور ساتھ تائیدی مواد کی پیپر بکس بھی بنوائی ہیں اور بنچ کے تینوں ججز کے لئے علیحدہ علیحدہ کاپیاں تیار کر لی گئی ہیں۔ عدالت کے سنیئر جج جسٹس آصف سعید کھوسہ نے کہا کہ آپ اپنی تحریری بحث اور تائیدی مواد ہمیں دے دیں ہم یہ سب کچھ پڑھ کر فیصلہ

کریں گے۔ چنانچہ تینوں ججز صاحبان کے لئے 9 عدد پیپر بکس عدالت میں پیش کردی گئیں۔ قانوناً تحریری بحث میں بیان شدہ ہر دلیل کو زیرِ غور لانا عدالت کی ذمہ داری ہوتی ہے لیکن حیرت کی بات ہے کہ جب تحریری بحث جج صاحبان کو پیش کردی گئی تو خواجہ محمد شریف کی مختصر بحث اور ایڈووکیٹ جنرل میاں عبدالرؤف کی بحث سننے کے بعد سوا ایک بجے جج صاحبان عدالت سے اُٹھ کر چلے گئے۔ جبکہ تحریری بحث اور متعلقہ مواد عدالت میں ہی پڑا رہا۔ بیس منٹ بعد ایک بج کر پینتیس منٹ پر جج صاحبان دوبارہ عدالت میں آئے اور کیس کا مختصر فیصلہ سناتے ہوئے غازی صاحب کی اپیل مسترد کردی اور حکومتی اپیل منظور کرتے ہوئے انسدادِ دہشت گردی عدالت نمبر 2 راولپنڈی کا فیصلہ بحال کردیا۔ عجیب تر بات ہے کہ پورے کیس میں دہشت گردی کا کوئی ثبوت صفحۂ مثل پر موجود نہیں۔ پھر بھی غازی صاحب کو دہشت گردی کی دفعہ ATA 7(a) کے تحت سزا سنائی گئی۔ عدالت نے تفصیلی فیصلہ کئی روز بعد جاری کیا لیکن اس میں مختصر فیصلہ کا ذکر تک نہیں کیا گیا اور تفصیلی فیصلہ پر 7 اکتوبر 2015ء کی ہی تاریخ درج کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ عدالت نے مختصر فیصلہ سنایا ہی نہیں بلکہ موقع پر ہی تفصیلی فیصلہ سنایا تھا جبکہ یہ ممکن ہی نہیں۔ اسی طرح تفصیلی فیصلہ میں عدالت نے کئی ایسے نقاط کا ذکر تک نہیں کیا جو دوران بحث عدالت میں زیرِ غور آئے۔ کئی سنیئر ترین وکلاء نے اس فیصلہ کو انصاف کے مسلمہ اُصولوں، قانونی تقاضوں اور اعلیٰ عدلیہ کے سابقہ فیصلوں کے منافی قرار دیا ہے۔

غازی صاحبؒ کی طرف سے سپریم کورٹ کے اس عاجلانہ فیصلہ پر نظرِ ثانی کی درخواست زیرِ آرٹیکل 188 سپریم کورٹ میں دائر کی گئی۔ سپریم کورٹ کے ججز کا رویہ دیکھ کر نظرِ ثانی کی دونوں درخواستیں جسٹس (ر) میاں نذیر اختر نے عمداً اردو میں لکھوائیں تا کہ یہ مواد جب عوام تک پہنچے تو عام لوگوں کو بھی حالات و واقعات کا علم ہو جائے اور عدالتی فیصلے کی اصلیت عوام پر بھی روشن ہو جائے۔ نظرِ ثانی کی درخواستیں 7 دسمبر 2015ء کو سپریم کورٹ سے خارج ہونے پر غازی صاحب نے اپنے والد صاحب اور وکلاء سے برملا کہہ دیا کہ وہ رحم کی کوئی اپیل کسی فورم پر نہیں کرنا چاہتے۔ تاہم وکلاء کی مشاورت سے غازی صاحب کے والد محترم، غازی صاحب کے کونسل جسٹس (ر) میاں نذیر اختر اور دس جید علمائے کرام کی طرف سے تین درخواستیں برائے حصول انصاف (رحم کی اپیل نہیں) باضابطہ صدر پاکستان، وزیر اعظم اور چیف آف آرمی سٹاف کی خدمت ارسال کی گئیں کہ سپریم کورٹ کے ججز نے انصاف کے تقاضے پورے نہیں کئے۔ جبکہ غازی صاحب کے بھائی ملک دلپذیر اعوان نے ایک علیحدہ درخواست صدر پاکستان کی خدمت میں ارسال کر کے مقدمہ کی سماعت کرنے والے ججز پر عدم اعتماد کا اظہار کیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ علمائے کرام بشمول مفتی محمد خان قادری، علامہ خلیل الرحمٰن قادری وغیرہ اور جسٹس (ر) میاں نذیر اختر کی طرف سے صدر پاکستان، وزیر اعظم

اور چیف آف آرمی سٹاف کو الگ الگ درخواستیں دے کر استدعا کی گئی کہ اس انتہائی اہم اور حساس نوعیت کے کیس کے بارے میں سپریم کورٹ کے عاجلانہ فیصلہ کی بابت ایک دفعہ اِن کا موقف اور نقطۂ نظر سن لیا جائے۔ لیکن ان مقتدر ہستیوں کی طرف سے تمام درخواستوں پر فیصلہ سے آگاہ کئے بغیر ہی مرکزی و صوبائی حکومت اور بعض فوجی شخصیتوں کے گٹھ جوڑ سے 29 فروری 2016ء کی صبح اچانک غازی صاحبؒ کو پھانسی دے کر شہید کردیا گیا۔ غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ کو حکومتی سطح پر پھانسی دے کر شہید کرنے سے پاکستان ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی دنیا کی تاریخ میں گستاخِ رسول کو جہنم واصل کرنے والے مجاہدِ ناموسِ رسالت کے حکومتی قتل کی پہلی مثال پاکستانی حکومت کے گلے کا طوق بن گئی۔

گستاخِ مصطفیٰ کو جہنم میں بھیج کر ایمان کا بنا وہ بدیع الجمال ہے
تاثیر بے ضمیر کا کر کے کام تمام اعزاز اُس نے پایا فقید المثال ہے
اُمڈا ہوا تھا اُس کے جنازے میں اک جہاں بات اُس کی غیرتِ دینی پہ دال ہے
دائم رہے گا زندہ جاوید قادری اُس کے لہو سے رشتہ اُلفت نہال ہے

حکومتی بدنیتی اس بات سے بھی عیاں ہے کہ جب مقتدر ہستیوں نے غازی صاحب کو پھانسی دے کر شہید کرنے کا فیصلہ کرلیا تو غازی صاحب کے ورثا کو غازی صاحب سے آخری ملاقات کروانے کے لئے بہانہ سے پیغام بھیجا گیا کہ غازی صاحب کی طبیعت اچانک بہت خراب ہوگئی ہے جلدی آ کر اُن سے ملو۔ سب اہل خانہ جیل پہنچ گئے تو جیل میں اہل خانہ کو مطلع کیا گیا کہ غازی صاحب کو پھانسی دی جا رہی ہے اور اُن کے ساتھ یہ تمہاری آخری ملاقات کرائی جا رہی ہے۔ سب اہل خانہ سے موبائل فون بھی لے لئے گئے تا کہ اس حادثے کا راز قبل از وقت فاش نہ ہو جائے۔

جس دھج سے کوئی مقتل میں گیا وہ شان سلامت رہتی ہے:

پھانسی سے قبل غازی صاحب نے کھجور اور پانی کے ساتھ روزہ رکھا اور کہا کہ میں روزہ کی حالت میں آقا ﷺ کے حضور حاضر ہونا چاہتا ہوں جب پھانسی کا وقت قریب آیا تو غازی صاحب نے سپرینٹنڈنٹ جیل سے کہا کہ جلدی چلیں، سپرینٹنڈنٹ نے کہا ''ابھی پانچ منٹ باقی ہیں'' آپ نے فرمایا ''حضور ﷺ انتظار فرما رہے ہیں میں جلدی آقا ﷺ کے حضور حاضر ہونا چاہتا ہوں۔'' جب آپؒ کو پھانسی گھاٹ کی طرف لے جایا جانے لگا تو آپ نے بلند آواز میں نعرہ تکبیر و نعرہ رسالت بلند کیا اور نعرہ زن تختہ دار کی طرف سدھار گئے۔ آپ کے ساتھ ساری جیل نعرہ ہائے تکبیر و رسالت بلند کر رہی تھی۔ پھانسی سے قبل آپ کی آخری خواہش پوچھی گئی تو آپ نے کہا ''میرا سبز عمامہ اور نقشِ نعلین مبارک میرے سر سے نہ اُتارا جائے، اور میرے چہرے کو ڈھانپا نہ جائے، پھانسی گھاٹ پر مجھے کچھ دیر رُکنے کی اجازت دی جائے، پھانسی کا پھندا مجھے خود اپنے گلے میں ڈالنے کی اجازت دی جائے اور پھانسی کا لیور اُس وقت

کھینچا جائے جب میں "لبیک یارسول اللہ" کا نعرہ لگاؤں"۔ آپؒ کی خواہش کا احترام کیا گیا چنانچہ آپ کو عمامہ شریف اور نقش نعلین مبارک سمیت چہرے ڈھانپے بغیر پھانسی گھاٹ پر لے جایا گیا۔ آپؒ پھانسی گھاٹ پر کچھ دیر رُک کر زیرِلب مسکراتے ہوئے گفتگو کرتے رہے۔ جو یقیناً اللہ تعالیٰ اور رسول پاک ﷺ کا شکریہ تھا کہ انہوں آپ کو اس عظیم سعادت کے لئے قبول فرمالیا۔ کچھ دیر رُکنے اور زیرلب گفتگو کے بعد آپ نے پھانسی کا پھندا چوم کر اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈالا اور بلند آواز کے ساتھ "لبیک یارسول اللہ" کا نعرہ بلند کیا۔ آپؒ کی خواہش کے مطابق جب آپؒ نے لبیک یارسول اللہ کا نعرہ بلند کیا تو جلاد نے پھانسی کا لیور کھینچ دیا۔ اس طرح ایک "اسلامی مملکت" میں، ایک سچا عاشق رسول اور محافظ ناموس رسالت، آقا ﷺ کی ناموس کی حفاظت کے جُرم میں، شاداں و فرحاں پھانسی کے پھندے پر جھول کر آقا ﷺ کی ناموس پر قربان ہوگیا۔

آپؒ کی عظمت و رفعت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ عام طور پر پھانسی کی سزا پانے والوں کی گردن لمبی ہو جاتی ہے، زبان اور آنکھیں باہر کی طرف نکل آتی ہیں اور چہرے کی ہیئت بدل جاتی ہے۔ لیکن غازی صاحب کی شہادت کے بعد نہ آپ کی گردن لمبی ہوئی، نہ ہی زبان اور آنکھیں باہر نکلیں۔ بلکہ آپ کا آخری دیدار کرنے والے لاکھوں لوگوں نے دیکھا کہ آپؒ کا جسد خاکی ایسے ہی تر و تازہ تھا جیسے آپ اچانک طبعی موت سے وفات پاگئے ہیں۔ حکومتی سطح پر آپ کی شہادت کو انتہائی خفیہ رکھا گیا اور میڈیا پر کوریج پر مکمل حکومتی پابندی کے باوجود ملک بھر اور بیرون ملک سے بھی لوگ آپ کی نماز جنازہ میں شرکت کے لئے دیوانہ وار اُمڈ آئے۔ شہادت کے اگلے دن یکم مارچ 2016ء کو لیاقت باغ راولپنڈی میں حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ صاحب کی اقتداء میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپؒ کی نماز جنازہ پر ہونے والا اجتماع پاکستان کی تاریخ کا سب سے بڑا اجتماع قرار پایا۔ جنازے میں شامل لاکھوں افراد کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر نے پوری دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ حکومتی اور عدالتی فیصلوں کے مقابل غازی ممتاز قادری شہیدؒ کے حق میں یہ عظیم الشان عوامی فیصلہ تھا۔ عوام نے بے ساختہ قادری صاحبؒ کے حق میں اور حکومت، عدلیہ اور فوج کے خلاف نعرہ زنی کی۔

غازی صاحبؒ کی شہادت کے چند روز بعد جماعت اسلامی کی جانب سے منصورہ لاہور میں بلائی جانے والی آل پارٹیز کانفرنس میں مولانا سمیع الحق نے انکشاف کیا کہ سلمان تاثیر کے وارثوں کے ساتھ صلح ہو چکی تھی اور انہوں نے ممتاز قادریؒ کو معاف کر دیا تھا۔ اسی صلح کے نتیجہ میں ہی سلمان تاثیر کا مغوی بیٹا شہباز تاثیر برآمد ہوا۔ لیکن شہباز تاثیر کو اپنے قبضہ میں لے کر حکومت وعدہ پر قائم نہ رہی اور غیر ملکی آقاؤں کو خوش

کرنے کے لئے فوراً غازی صاحب کو پھانسی دے دی۔ مبادا کہ شہباز تاثیر کے سامنے آجانے کے بعد صلح کا معاملہ منظرِ عام پر آجائے اور غازی صاحب کو پھانسی دینے کا جواز ختم ہو جائے۔

مردانِ میدان:

غازی صاحبؒ کے والدِ محترم الحاج ملک محمد بشیر اعوان، آپؒ کے بھائی ملک دلپذیر اعوان اور آپؒ کے سب دیگر اہل خانہ نے انتہائی استقامت و جوانمردی کے ساتھ غازی صاحب کے مقدمہ کو فیس کیا۔ آپؒ کے والد مکرم اور بھائی استقامت کا کوہِ گراں ثابت ہوئے اور وکلاء کے کندھے سے کندھا ملا کر مقدمہ کی پیروی کرتے رہے اور کسی مرحلہ پر بھی کمزوری یا بددلی کے آثار کے چہرہ پر نمودار نہ ہونے پائے۔ جسٹس (ر) میاں نذیر اختر نے اسلام آباد ہائیکورٹ اور سپریم کورٹ میں قانونی محاذ پر غازی صاحبؒ کا دفاع انتہائی محنت اور دیانت داری سے کیا۔ ان کے دلائل سن کر عدالت میں موجود بہت سے وہ وکلاء بھی غازی صاحب کے حامی بن گئے جو پہلے اُن کے خلاف تھے۔ یہاں تک کہ جج صاحبان نے بھی عدالت میں ان کے دلائل کی تحسین کی۔ مگر حکومت نے حکماً ان کے دلائل کو پریس میں شائع نہ ہونے دیا تا کہ عوامی سطح پر قادری صاحب کے حق میں ذہن سازی نہ ہو سکے۔ اعلیٰ عدلیہ میں غازی صاحبؒ کے کیس کی پیروی معاون وکلاء ختم نبوت لائرز فورم پاکستان کے وکلاء کی ٹیم مشتمل بر جناب غلام مصطفےٰ چوہدری ایڈووکیٹ، سید حبیب الحق شاہ ایڈووکیٹ، محمد طاہر سلطان کھوکھر ایڈووکیٹ، خالد محمود ایڈووکیٹ، عامر لطیف سبحانی ایڈووکیٹ، راجہ محمد نوید عارف ایڈووکیٹ اور طاہرہ شاہین ایڈووکیٹ نے اور مذہبی اداروں میں جامعہ اسلامیہ لاہور (مفتی محمد خاں قادری اور علامہ خلیل الرحمن قادری) اور مدرسہ ضیاء العلوم راولپنڈی (حضرت علامہ سید حسین الدین شاہ) نے جسٹس (ر) میاں نذیر اختر کی معاونت کی۔ اور کیس کی تیاری میں اہم کردار ادا کیا۔ علاوہ ازیں علماء کرام میں سے علامہ خادم حسین رضوی، پیر محمد افضل قادری، ڈاکٹر اشرف آصف جلالی اور علامہ احمد علی قصوری اور دیگر بہت سے علمائے کرام نے بھی اپنے انداز اور وسائل کے مطابق غازی صاحب کی رہائی کی کوششوں میں اہم کردار ادا کیا۔

مگرمچھ کے آنسو:

بہت سے فرزندانِ ملت نے تو غازی ملک ممتاز حسین قادریؒ کے کیس کو اپنے ایمان کی حلاوت اور بلندیٔ درجات کا وسیلہ سمجھ کر اس کی پیروی میں حصہ لیا۔ مگر بعض نام نہاد تنظیموں اور اداروں نے اس کیس کی پیروی کی آڑ میں مال کمانے اور کیس کو خراب کرنے کی بھی بھرپور منصوبہ بندی اور جدوجہد کی اور آپؒ کا مقدس نام استعمال کر کے چندے اکٹھے کرتے رہے۔ ایک نامور سنیئر ایڈووکیٹ کے پاس اس ضمن میں کچھ افراد کی گفتگو کی اہم ریکارڈنگ بھی موجود ہے۔ بہت سے مقتدر اور مفاد پرست لوگوں نے غازی صاحبؒ کے کیس کی سماعت کے دوران سالہا سال تک اپنے منہ

پر خاموشی کی مہریں لگائے رکھیں اور شہادت سے قبل مناسب وقت پر قادری صاحبؒ کی رہائی کے لئے کوئی کردار ادا نہ کیا۔ لیکن غازی صاحبؒ کی شہادت کے بعد ان کے جنازے پر عوام کے اُمڈتے سیلاب کے عوامی مظاہرے دیکھ کر گفتار کے غازی ذاتی شہرت کی خاطر جناب قادری شہیدؒ کے حق میں الیکٹرانک میڈیا پر تقریریں کرنے لگے اور ٹسوے بہا کر عوامی جذبات کو کیش کرانے کی کوشش کرنے لگے۔ بعض مذہبی سیاسی لیڈر بشمول مولانا فضل الرحمٰن، حافظ حسین احمد، سراج الحق، طاہر القادری وغیرہ جو قبل ازیں غازی محمد ممتاز قادریؒ کے حق میں بیان تک دینے سے لرزاں تھے، آپؒ کا فقید المثال جنازہ دیکھ کر یک لخت بدل گئے اور عوامی جذبات سے سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لئے اُن کے حق میں بیان دینے لگے۔ مگر اب تو بہت دیر ہو چکی تھی اب یہ ریاکارانہ بیان بازی بے سود ہی رہی۔

حکومت، عدلیہ اور میڈیا کی ٹرائیکا:

آپؒ کو شہید کر کے حکومتِ پاکستان، عدلیہ اور میڈیا تینوں نے قومی بے حسی کا ثبوت دیا۔ پاکستانی حکومتیں موت کے قیدیوں کی سزائے موت پر عمل درآمد سالہا سال تک کیسے معرضِ التوا میں ڈالتی ہیں، میڈیا کس طرح نان ایشوز کو برننگ ایشو بنا کر پیش کرتا ہے اور عدلیہ کے فیصلوں پر دانشور کیا تبصرے کر رہے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔ ان حقائق اور غازی صاحب کی شہادت کا تقابلی جائزہ لینے کے بعد آپ کے لئے فیصلہ کرنا آسان ہو جائے گا کہ کیا غازی صاحب کو سزائے موت دیکر شہید کر دینا حکومتی سرپرستی میں عدالتی قتل اور میڈیا کی بے حسی کی بدترین مثال نہیں ہے؟

حکومتی بھیانک کردار:

ملک بھر کی جیلوں میں سینکڑوں کی تعداد میں سزائے موت کے ایسے قومی مجرم موجود ہیں جن کی رحم کی اپیلیں تک مسترد ہو چکی ہیں۔ اور عوامی دباؤ بھی ان کو سزائے موت دینے کے حق میں ہے۔ لیکن حکومت وقت ذاتی مصلحتوں اور بیرونی دباؤ کی وجہ سے سالہا سال سے ان کی سزاؤں پر عمل درآمد کرنے سے گریزاں رہی ہے۔ حتیٰ کہ کئی حکومتیں بنتی اور ٹوٹتی رہیں۔ لیکن ان قومی و ملی مجرموں کی سزائے موت لٹکانے کی پالیسی ہر حکومت کی ایک ہی رہی۔ جبکہ غازی ملک محمد ممتاز قادریؒ کے عوامی ہیرو کا درجہ پا لینے کے باوجود نہایت عجلت کے ساتھ انہیں تختہ دار پر چڑھا دیا گیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ پاکستانی حکومت بھی اپنے فیصلے کرنے میں آزاد نہیں بلکہ سابقہ حکومتوں کی طرح مجبورِ محض ہی ہے۔ اور حکومت اپنے مفادات کے حصول کی خاطر عدلیہ کو آلہ کار کے طور پر استعمال کرنے سے بھی نہیں چوکتی۔ حکومت کی طرف سے قومی مجرموں کی سزائے موت عرصہ دراز تک لٹکانے کی ایک مثال ملک عزیز کو دولخت کرنے والے بھارتی جاسوس "کشمیر سنگھ"[23] کی ہے جو 37 سال تک پاکستانی جیلوں میں موت کا قیدی رہنے کے بعد "باعزت بری"

ہوا۔ اور ایک "وفاقی وزیر" نے اُسے پروٹوکول کے ساتھ اُس کے گھر بھارت پہنچایا۔ اس حکومتی "کارنامے" کی داستاں روزنامہ نوائے وقت کے معروف کالم نگار جناب سعید آسی صاحب نے تحریر کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

"میجر (ر) نذیر احمد نے بذریعہ فون مجھے وطن عزیز کی آزادی و خود مختاری کے مظاہر دکھا کر کچو کے لگائے۔ میجر نذیر نے بھٹو دور میں ایک فوجی عدالت کے سربراہ کی حیثیت سے بھارتی جاسوس کشمیر سنگھ کو پھانسی کی سزا سنائی تھی۔ اب بھارتی جاسوس کلبھوشن یادیو قابو آیا ہے۔ اور اس کی زبانی پاکستان کی سلامتی کے خلاف کی گئی اس کی گھناؤنی وارداتوں کی پرتیں کھل رہی ہیں تو میجر (ر) نذیر کے زخم پھر سے ہرے ہو گئے ہیں۔ انہوں نے روہانسی آواز میں مجھے مخاطب ہو کے بتایا کہ کشمیر سنگھ 1971ء میں سقوط ڈھاکہ کی شکل میں پاکستان کو دولخت کرنے کا 85 فیصد ذمہ دار ہے۔ جو بھارتی سرپرستی میں مکتی باہنی کو کمک فراہم کرتا رہا اور سقوط ڈھاکہ کے سانحہ کے بعد وہ باقی ماندہ پاکستان کو توڑنے کی گھناؤنی سازش میں مصروف رہا۔ اس نے مقدمے کی سماعت کے دوران فخریہ انداز میں اپنے سارے گھناؤنے جرائم کا اعتراف کیا۔ اور جب اسے سزائے موت سنائی گئی تو اس نے مجھے رعونت بھرے لہجے میں باور کرایا کہ "آپ نے تو مجھے سزائے موت سنا دی ہے۔ جس ملک کی خاطر اس کے ساتھ وفاداری نبھاتے ہوئے میں نے پاکستان کو دولخت کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے کیا وہ مجھے مرنے دے گا۔ آپ دیکھ لینا میں آپ کی آنکھوں کے سامنے اپنے ملک جاؤں گا"۔ میجر نذیر بہت قلق کے ساتھ یہ ساری کہانی سنا رہے تھے۔ بھٹو حکومت کے صدر مملکت چوہدری فضل الٰہی نے اس کی رحم کی اپیل مسترد کرتے ہوئے سزائے موت کی توثیق کی۔ مگر اس کی سزائے موت پر عملدرآمد نہ ہو سکا، وہ جیل میں ضرور رہا مگر اپنے اس یقین پر کاربند رہا کہ اس کا دیش اسے باحفاظت واپس لے جائے گا۔ قانونی پیچیدگیاں ڈال کر اس کی سزائے موت لٹکائی جاتی رہی۔ جنرل ضیاالحق اقتدار میں آئے تو کشمیر سنگھ نے پھر رحم کی اپیل کی جو ضیاالحق نے مسترد کر دی مگر اس کی سزا پر پھر بھی عملدرآمد نہ ہو سکا۔ جنرل ضیاء الحق کا دور بیت گیا۔ غلام اسحاق خان پہلے عبوری پھر مستقل صدر بنے۔ کشمیر سنگھ کی رحم کی اپیل ان کے پاس بھی جا پہنچی اور مسترد ہو گئی۔ مگر کشمیر سنگھ زندہ کا زندہ رہا۔ غلام اسحاق کا خان کا دور بھی لد گیا۔ وسیم سجاد صدرِ مملکت کے منصب پر فائز ہوئے تو کشمیر سنگھ کی رحم کی اپیل ان کی میز پر بھی آ گئی اور حسب سابق مسترد ہو گئی مگر کشمیر سنگھ کی گردن پھانسی کے پھندے سے دور ہی رہی۔ پھر محترمہ بینظیر بھٹو کے دوسرے دورِ حکمرانی میں سردار

فاروق احمد خاں لغاری بطور صدرِ مملکت ایوانِ صدر میں متمکن ہوئے تو کشمیر سنگھ کی رحم کی اپیل ان کی میز پر بھی موجود تھی مگر اس کے گھناؤنے جرائم کی بنیاد پر فاروق بھائی کو بھی اسے رہائی دینے کی ہمت نہ ہوئی اور ایوانِ صدر سے اس کی اپیل مسترد ہو کر اگلی کاروائی کے لئے متعلقہ اتھارٹی کے پاس جا پہنچی۔ مگر کشمیر سنگھ زندہ وسلامت جیل میں دندناتا رہا۔ پھر مشرف کا دورِ حکمرانی شروع ہوا تو کشمیر سنگھ کی اپیل کی رسائی ان تک بھی ہوگئی مگر بغیر کسی فیصلہ کے یہ اپیل سال ہا سال تک ان کی میز پر پڑی رہی۔ اس طرح اس کی زندگی کی میعاد بھی بڑھتی رہی۔ 2008ء کے عام انتخابات کے لئے مشرف نے عبوری حکومت قائم کی تو گویا کشمیر سنگھ کی لاٹری نکل آئی۔ انسانی حقوق کے بزعم خویش چیمپئن انصار برنی اس عبوری نگران حکومت میں انسانی حقوق کے وزیر تھے دروغ برگردن راوی۔ میجر (ر) نذیر اس کہانی کو بیان کر رہے ہیں تو اس کی ذمہ داری بھی قبول کریں گے۔ ان کے بقول انصار برنی پہلے ہی بھارت کے ایما پر کشمیر سنگھ کی رہائی کے لئے سودا کر چکے تھے۔ کروڑوں کے بجٹ کے ساتھ یہ معاملہ طے ہوا۔ انصار برنی نے اس وقت کی معروف ٹی وی آرٹسٹ عتیقہ اُوڈھو کی خدمات حاصل کیں۔ یقیناً کروڑوں کے بجٹ میں ان کے لئے بھی کچھ حصہ مختص ہوا ہوگا۔ عتیقہ اُوڈھو راز داری میں ایوان صدر گئیں۔ مشرف صاحب سے خصوصی ملاقات کی۔ ان سے کشمیر سنگھ کی رحم کی اپیل والی فائل نکلوائی اور اس کی منظوری کے پروانے پر مشرف کے دستخط کروا کے یہ فائل انصار برنی کے حوالے کر دی۔ اس کے بعد انصار برنی اس ملک خداداد کے وزیر کی حیثیت سے اپنی جھنڈے والی سرکاری گاڑی میں کشمیر سنگھ کو اپنے ساتھ بٹھا کر جس پروٹوکول کے ساتھ واہگہ بارڈر عبور کر کے اسے بھارت میں اس کے گھر تک پہنچا کر آئے۔ پاکستان کی اس ہزیمت کا نظارہ پوری دنیا نے دیکھا۔ کشمیر سنگھ نے میجر (ر) نذیر کو اعلانیہ چیلنج کیا تھا کہ اس نے اپنے دیش کے ساتھ وفا نبھائی ہے اس لئے اس کا دیش اسے مرنے نہیں دے گا۔ اس کے دیش نے تو یقیناً اس کی وفا کا صلہ دیا مگر ملک کی آزادی اور خودمختاری کے تحفظ اور آئین کی پاسداری کا حلف اُٹھانے والے ہمارے کرم فرما ملک کی آزادی وخودمختاری اور عزت وآبرو کی کتنی نگہبانی کرتے رہے ہیں کشمیر سنگھ کا کیس اس کی اَچھوتی مثال ہے۔[24]

ملکی سلامتی سے کھیلنے والے سزائے موت کے حق داروں کے ''باعزت بری'' کئے جانے کی دوسری مثال دن دیہاڑے دو بے گناہ شہریوں کو لاہور میں فائرنگ کر کے قتل کر دینے والے امریکی جاسوس ریمنڈ ڈیوس کی ہے۔ جس کو رنگے ہاتھوں گرفتار کرنے کے بعد اُسے منطقی انجام تک پہنچانے کے سب حکومتی دعوے دھرے کے دھرے رہ گئے اور اُسے باعزت بری کر کے امریکی خوشنودی کا پروانہ حاصل کیا گیا۔ امریکہ میں متعین اُس وقت

کے پاکستانی سفیر حسین حقانی نے ریمنڈ ڈیوس کی رہائی کے حقائق سے پردہ سرکاتے ہوئے کہا ہے:

''ریمنڈ ڈیوس کو اُس وقت کے ڈی جی انٹیلی جنس کی کوششوں سے رہا کیا گیا۔ ریمنڈ ڈیوس کے ویزہ کی کئی بار اسلام آباد میں تجدید کی گئی۔ وہ سی آئی اے کے درپردہ امریکی سفارتخانے کا ایک اہلکار تھا۔ .... اس کا ابتدائی ویزہ اس سے پہلے جاری ہو چکا تھا جب انہیں ویزہ سے متعلق مسائل حل کرنے کا ٹاسک دیا گیا۔ اور جب ہم نے لاہور واقعہ کے بعد اس کا جائزہ لیا تو یہ بات سامنے آئی کہ امریکی سفارتخانے میں کام کرنے کے لئے اصل ویزہ جاری ہونے سے قبل اسلام آباد سے کلئیر کر دیا گیا تھا[25]''

عدالتی کردار:

غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ کے ''عدالتی قتل'' پر تو بے جا حکومتی دباؤ اور غیر ملکی آقاؤں کی نوازشات کی وجہ سے ''آزاد'' پاکستانی میڈیا نے زبان نہ کھولی۔ لیکن اس اندوہناک گھناؤنے فیصلہ کے فوراً بعد ''بااختیار'' حکومت اور ''آزاد'' عدلیہ نے مل کر ایک اور ''شاہکار فیصلہ'' صادر کیا۔ اب کی بار الیکٹرانک وپرنٹ میڈیا حکومتی دباؤ اور ڈالروں کی ریل پیل سے قدرے آزاد تھا چنانچہ اس فیصلہ پر دبے لفظوں میں ہی سہی لیکن کچھ نہ کچھ تجزیے اور تبصرے آ ہی گئے۔ یہ فیصلہ دو بار آئین توڑنے کے مرتکب اور کئی کیسوں میں کئی عدالتوں کو انتہائی مطلوب، سابق آمر جنرل (ر) پرویز مشرف کا حکومتی اور عدالتی ملی بھگت سے بیرون ملک ''فرار'' کرانے کا ہے۔ اس فیصلہ پر ہونے والے تجزیئے اور تبصرے ظاہر کر رہے ہیں کہ آج کے پاکستان کی عدالتیں کس قدر ''آزاد اور خودمختار'' ہیں اور کس قدر ''عادلانہ اور منصفانہ'' فیصلے صادر فرما رہی ہیں۔ عدالتوں کے ''آزاد'' چہروں سے نقاب اُلٹتے چند تبصرے ملاحظہ ہوں:

شہزاد چغتائی:

''جنرل (ر) پرویز مشرف کو علاج کے لئے بیرون ملک بھجوانے کا فیصلہ تو ایک ماہ قبل امریکی سینیٹرز کی پاکستان آمد کے موقع پر ہی کر لیا گیا تھا'' [26]

اسد اللہ خاں غالب:

''اصل میں ہمارے کچھ غیر ملکی آقا پاکستانی عوام کو بے وقوف سمجھتے ہیں، یا بے وقوف بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ کاش ہماری عدلیہ تو ان کا ساتھ نہ دیتی۔ اور مشرف کے بیرون ملک جانے کا فیصلہ ختم نہ کرتی'' [27]

ادارتی بورڈ روزنامہ نوائے وقت:

''..... اگر مشرف دوبارہ آئین توڑنے کے جرم کی سزا سے بچ جاتے ہیں تو پھر ہماری نئی

سیاسی اور عدالتی تاریخ رقم کرتے ہوئے آئین کی اس دفعہ کو ہی دفن کرنا پڑے گا۔اسے سپریم کورٹ کے صحن میں دفن کرنا پڑے یا پالیمنٹ ہاؤس کے کسی کونے کھدرے میں،اس کا فیصلہ تو بہرصورت ہر دو فریقین کو باہم مشاورت سے کر لینا چاہیئے۔"[28]

"اپنے خلاف زیرِ سماعت سنگین مقدمات کی سماعت کے دوران مشرف کا ملک سے باہر جانا بادی النظر میں آئین، انصاف اور جمہوریت کی عملداری کی ناکامی ہے۔۔۔۔یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ ان کی علالت کی ساری کہانی اور متعلقہ طبی رپورٹیں سب جعلسازی پر مبنی تھیں اور یقیناً حکومت اور عدالت کو بھی اس کا علم ہوگا۔اس تناظر میں مشرف کا ملک سے باہر جانا قانون وانصاف کی عملداری کی نفی کر رہا ہے۔جس سے تمام متعلقہ فریقین کی بے بسی ظاہر ہوتی ہے۔۔۔اس صورت حال میں مشرف کو بیرونِ ملک جانے کی اجازت دے کر حکومت اور عدلیہ نے خود ہی جرنیلی آمروں کے ماورائے آئین اقدامات کو تقویت پہنچائی ہے۔اور آئین کی دفعہ 6 کے عملی نفاذ کا راستہ روکا ہے"[29]

سعید آسی:

الف:......اور پھر آئین کی حکمرانی میں ہماری عزت افزائی والا ایک معاملہ حال ہی میں مشرف کو غداری کیس والے شکنجے سے نکال کر ملک سے باہر بھجوانے کا بھی تو طے ہوا ہے۔رازونیاز والے اس قصے کا تذکرہ آئندہ کسی کالم میں۔مگر مشرف آئین کے مجرم ہی نہیں، کشمیر سنگھ کو ہمارے دشمن ملک کے حوالے کرنے کے جرم کے بھی تو سزاوار ہیں۔وہ دندناتے ہوئے ملک سے باہر کیسے گئے اس کا بھی کوئی حساب کتاب ہونا چاہیئے یا نہیں"[30]

ب:"میں اس حقیقت کا قائل ہو چکا ہوں کہ سپریم کورٹ کی جانب سے عدالت عظمٰی کے احاطہ میں دفن کیا گیا"نظریہ ضرورت" آج بھی کروفر کے ساتھ اپنی عملداری کا ثبوت فراہم کر رہا ہے۔چنانچہ ماورائے قانون اقدام کرنے والوں کے آگے آج بھی کسی کو پَر مارنے کی جرأت نہیں۔۔۔اب خفت مٹانے کے لئے آئین کی دفعہ 6 کو اسی قبر میں دفن کر دیں۔اگر عدالت عظمٰی کے صحن میں کھودی گئی یہ قبر بوسیدہ اور ناکارہ ہوگئی ہے تو اب پارلیمنٹ ہاؤس کے صحن میں قبر کھود کر اسے پختہ کر لیں اور پورے اہتمام کے ساتھ اس میں دفعہ 6 کا مردہ دفنا دیں"[31]

قیوم نظامی:

"پاکستان میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا اُصول چلتا ہے۔قانون کی طاقت نہیں بلکہ طاقت کا قانون کارفرما ہے۔عدلیہ اور وفاقی حکومت نے آئین شکن جرنیل کو پاکستان سے باہر جانے کی اجازت دے

دی۔جبکہ مقبول عوامی راہنما ذوالفقار علی بھٹو کو عدلیہ نے پھانسی کی سزا سنائی تھی"[32]

نعیم مسعود:

"چند ہزار خواص جو جرنیل، جج، بیوروکریٹس، جاگیردار، سرمایہ دار، صنعتکار اور سیاست کار اس جنگل کے شیر ہیں اور ان کی مرضی ہے کہ وہ انڈے دیں یا بچے دیں۔۔۔۔۔"[33]

نواز رضا:

"قرائن یہ بتاتے ہیں کہ وہ (پرویز مشرف) اپنی زندگی میں کسی سول حکومت میں پاکستان کا رُخ نہیں کریں گے۔پناہ کے لئے دربدر کی ٹھوکریں کھانا ان کا مقدر بن گیا ہے۔جن مقتدر حلقوں نے انہیں بیرون ملک جانے کی اجازت دلوائی ہے۔اب وہ انہیں واپس بھی نہیں آنے دیں گے"[34]

عدلیہ کا اعتراف:

جسٹس انور ظہیر جمالی چیف جسٹس آف پاکستان:

محمد اکرم چوہدری، کالم نگار نوائے وقت نے جسٹس انور ظہیر جمالی کے یہ ریمارکس تحریر کیے ہیں:

"خود مختار اداروں کے سربراہ کرسی بچانے کے لئے سیاسی دباؤ قبول کرتے ہوئے سیاسی حکومت کے ہر جائز و ناجائز مطالبے کو"کلین چٹ" دیتے ہیں۔[35]

جسٹس ثاقب نثار:

بقول عارفہ صبح خاں:"جسٹس ثاقب نثار نے کہا کہ وہ"جسٹس سسٹم" سے مطمئن نہیں اور کامیاب نہ ہونے کی وجہ جج ہیں۔جبکہ چیف جسٹس کی رائے ہے کہ نظامِ عدل بے ثمر ہوتا جا رہا ہے" چیف جسٹس نے یہ بھی کہا ہے کہ عوام اب دیگر ذرائع تلاش کر رہے ہیں[36]۔"

انصاف کا کیا ہے عدالت نے آہ خون ۔۔۔ ہر اک زبان پہ آج یہی قیل و قال ہے
ایمان کی تازگی سے ہے محروم منصفی ۔۔۔ جس کو رہا نہ عاقبت کا کچھ خیال ہے
ناموسِ مصطفٰی کے تحفظ سے دشمنی ۔۔۔ نازل بشکلِ دورِ ضلالت وبال ہے
جو بھی رہا اُس کی سزا کے جواز میں ۔۔۔ اُس کو نصیب دوستو بے شک زوال ہے

میڈیا کا کردار:

سلمان تاثیر کے قتل پر بھانت بھانت کی بولیاں بول کر آسمان سر پر اُٹھانے والے پاکستانی میڈیا نے غازی صاحبؒ کا مقدمہ شروع ہونے سے لیکر آپ کی شہادت تک کوئی مناسب کوریج نہ کی۔بلکہ آپؒ کی

شہادت پر تو پورا میڈیا اس طرح خاموش تھا جیسے کوئی واقعہ ہوا ہی نہیں۔ بلکہ اس دن پورا میڈیا اسلامی روایات کا جنازہ نکالنے والی ایک پاکستانی عورت کو آسکر ایوارڈ ملنے کے مناظر دکھاتا رہا۔ سیشن کورٹ ننکانہ صاحب کی طرف سے اس کیس کی بنیادی مجرمہ ''آسیہ'' کو جب سزائے موت سنائی گئی تو کئی دنوں بلکہ ہفتوں اور مہینوں تک الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا پر اس کیس کے بارے میں ٹاک شوز منعقد ہوتے رہے اور نام نہاد تجزیوں اور تبصروں کا ایک نہ رُکنے والا سلسلہ جاری رہا۔ ڈالروں اور پاؤنڈوں کی کھنک سے مرعوب بعض نام نہاد ''اینکر پرسنز'' اسلام اور قانونِ توہینِ رسالت کے بارے میں انتہائی غیر ذمہ دارانہ گفتگو کر کے حرام کی کمائی کو ''حلال'' کرتے رہے۔ جبکہ پرنٹ میڈیا بھی اس بہتی گنگا میں ہاتھ دھونے میں کسی سے پیچھے نہ رہا[37]۔ عدالت سے سزا یافتہ مجرمہ آسیہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے تبصروں اور تجزیوں سے صفحات سیاہ کر کے ''حق نمک خواری'' ادا کیا گیا۔ لیکن عوامی و مذہبی ہیرو غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ کے کیس پر الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا پر ایسی خاموشی طاری ہوئی گویا کہ انہیں سانپ سونگھ گیا ہے۔ اتنے اہم کیس پر الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا کی پُر اسرار خاموشی سے صاف عیاں ہو رہا ہے کہ آسیہ مسیح کے کیس کے فیصلہ پر دھول اُڑانے کے لئے ڈالروں اور پاؤنڈوں کی بارش ہوئی تھی جبکہ اب کی بار ''خاموشی'' اختیار کرنے پر وہی بارش بلکہ طوفانی بارش ہوئی ہے چنانچہ الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا نے دونوں دفعہ ضمیر کی آواز کے بدلے میں ''نفع'' کا سودا کیا۔ غازی صاحب کی شہادت ایک قومی المیہ ہے اور آپ کی شہادت کے بعد آپ کے جنازہ، قُل خوانی اور چہلم پر اتنے عظیم تاریخی اجتماعات ہوئے جن کی مثال ملکی تاریخ میں ملتی ہی نہیں۔ لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں پر حکومت کی بھد اُڑا کر حکومت کو گھٹنے ٹیک دینے پر مجبور کر دینے والا میڈیا اس تاریخی موقع پر حکومت کا بڑا فرمانبردار ثابت ہوا۔ سارا دن ٹی وی سکرینوں پر آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کی من مانی تاویلیں کر کے علمیت بگھارنے والے اینکرز محافظِ ناموسِ رسالت کے حق میں ایک لفظ بھی نہ بول سکے۔ جتنے دن غازی صاحب کی شہادت، جنازہ اور قُل خوانی کے تاریخی اجتماعات ہوتے رہے، میڈیا خوابِ خرگوش کے مزے لیتا رہا اور کسی موقع پر بھی کوریج کی جرأت نہ کر سکا۔

حقائق بالا سے پاکستانی حکومت، عدلیہ اور میڈیا کی آزادی کا سوانگ روزِ روشن کی طرح عیاں ہو رہا ہے۔ اور صاف نظر آ رہا ہے کہ شہیدِ ناموسِ رسالت **غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ** کو کسی جرم کی سزا میں شہید نہیں کیا گیا بلکہ اسلام و پاکستان دشمن قوتوں کی خوشنودی حاصل کرنے اور خود کو ''لبرل'' ثابت کرنے کے لئے غازی صاحبؒ کو حکومتی اور عدالتی ملی بھگت سے شہید کرنے کا انتہائی اقدام اٹھایا گیا ہے۔ اور الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا کے منہ میں ''ڈالروں کی گھنگنیاں ڈال کر'' اُسے خاموش کرا دیا گیا۔ حکومتی، عدالتی اور میڈیا کی ایسی بے حسی کی مثال ڈھونڈنے سے بھی کم ہی ملے گی۔

ایک اعتراض اور اس کا جواب:

زرخرید نام نہاد ٹی وی اینکرز اور اخباری کالم نویسوں کی طرف سے عام طور اس بھونڈے اعتراض کو بہت اُچھالا گیا ہے کہ **غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ** گورنر پنجاب کی حفاظت پر مامور تھے اور اُن کا فرض تھا کہ گورنر کی حفاظت کرتے۔ لیکن اُنھوں نے حفاظت کی بجائے خود ہی اُسے قتل کر دیا۔ اس طرح ممتاز قادریؒ نے اپنے پیشے اور فرائض سے روگردانی کی ہے۔

اس اعتراض کا جواب گورنر کے حلف میں موجود ہے۔ حلف پر ایک نظر ڈالیں:

''بسم اللہ الرحمن لرحیم؛ میں سلمان تاثیر صدق دل سے حلف اٹھاتا ہوں کہ میں خلوصِ نیت سے پاکستان کا حامی اور وفادار رہوں گا۔

کہ بحیثیت گورنر صوبہ پنجاب میں اپنے فرائض اور کارہائے منصبی ایمانداری، اپنی انتہائی صلاحیت اور وفاداری کے ساتھ، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور اور قانون کے مطابق اور ہمیشہ پاکستان کی خود مختاری، سالمیت، استحکام، بہبود اور خوشحالی کی خاطر انجام دوں گا۔

کہ میں اسلامی نظریہ کو برقرار رکھنے کے لئے کوشاں رہوں گا جو قیام پاکستان کی بنیاد ہے۔

کہ میں اپنے ذاتی مفاد کو اپنے سرکاری کام یا سرکاری فیصلوں پر اثر انداز نہیں ہونے دوں گا۔

کہ میں اسلامی جمہوریہ کے دستور کو برقرار رکھوں گا اور اس کا تحفظ اور دفاع کروں گا۔

کہ میں ہر حالت میں ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ بلا خوف و رعایت اور بلا رغبت و عناد قانون کے مطابق انصاف کروں گا۔

اور یہ کہ میں کسی شخص کو بلاواسطہ یا بالواسطہ کسی ایسے معاملہ کی اطلاع نہ دوں گا نہ اس پر ظاہر کروں گا جو بحیثیت گورنر صوبہ پنجاب میرے سامنے غور کے لئے پیش کیا جائے گا یا میرے علم میں آئے گا سوائے اس کے کہ جب بحیثیت گورنر اپنے فرائض کی کماحقہٗ انجام دہی کے لئے ایسا کرنا ضروری ہو [38]''

اس حلف میں واضح اور غیر مبہم الفاظ میں لکھا ہوا ہے کہ گورنر ہر اقدام قانون کے مطابق اٹھانے کا پابند ہے۔ اور اسلامی نظریات کو برقرار رکھنے کا پابند ہے۔ اور ہر حالت میں ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ قانون کے مطابق انصاف کرنے کا پابند ہے۔ اور ذاتی مفاد کو کسی طور ملکی مفاد پر اثر انداز نہیں ہونے دے گا۔

مگر آسیہ کے معاملہ میں سلمان تاثیر نے اپنے حلف کی ذرّہ برابر پاسداری نہیں کی۔ اُس نے سابق صدر پاکستان ضیاء الحق کے ساتھ نظریاتی اختلاف کو ذاتیات کی حد تک اُبھارا اور ذاتی عناد کی وجہ سے تحفظ ناموس

رسالت کے ملکی قانون کو بانگ دہل کالا قانون کہہ کر پکارا۔ اسلامی نظریات کو برقرار رکھنے کی بجائے بانی اسلام کی عزت وناموس کی حفاظت کے لئے بنائے گئے قانون کا برسرِ عام مذاق اُڑایا۔ قانونی طور پر موت کی سزایافتہ مجرمہ کے ساتھ اپنے خاندان سمیت بیٹھ کر پریس کانفرنس کر کے اور فوٹو سیشن کروا کر ملکی قانون کی عزت وحرمت کو تار تار کردیا۔ اور غیر ملکی آقاؤں کی آنکھ کا تارا بننے کی ذاتی خواہش اور مفاد کی خاطر ملکی قانون اور عدالتوں کا برسرِ عام مذاق اُڑایا۔ سیشن کورٹ کے بعد ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ میں اپیل کے حق اور ضابطے کو اپنے پاؤں تلے روندتے ہوئے ملکی قانون کے تحت سزایافتہ مجرمہ کی صدر پاکستان کے نام معافی کی درخواست گورنر ہاؤس سے خود لکھوا کر لایا اور مجرمہ کے سامنے پیش کر کے اس کا انگوٹھا لگوایا۔ میڈیا پر دکھایا جانے والا وہ منظر تو پاکستانی شہریوں کے لئے مر مٹنے کا مقام تھا جب سلمان تاثیر ایک صوبہ کا گورنر ہوتے ہوئے بھی، سزائے موت کی ایک مجرمہ کی معافی کی درخواست اُس کے ذاتی ملازم کی طرح اُس کے سامنے پیش کر کے اس پر انگوٹھا لگانے کی درخواست کرتا ہوا دکھایا جا رہا تھا۔ جب سلمان تاثیر نے اپنے عہدہ کے حلف کی پاسداری ہی نہیں کی تو وہ اس عہدہ کی مراعات کا حقدار کیسے رہا؟۔ حلف کی خلاف ورزی کے بعد تو وہ اس عہدہ پر غاصب بن کر بیٹھا ہوا تھا۔ غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ نے اُس گورنر کی حفاظت کی ذمہ داری لی تھی جس نے اسلام اور آئین پاکستان کی حفاظت کا حلف اُٹھایا ہوا تھا۔ کون محبِ وطن ہوگا جو آئین پاکستان کی دھجیاں اُڑانے والے شخص کی حفاظت کرے۔ غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ نے اپنے حلف کی پاسداری کرتے ہوئے اپنی جان کی پرواہ تک نہیں کی اور ایک غاصب کو عہدہ گورنری سے اُتار پھینک کر پوری قوم کا سر فخر سے بلند کردیا۔ اگر آنکھوں پر بندھی تعصب کی پٹی اُتار کر غور وفکر کی جائے تو یہ اعتراض خود بخود ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اپنے فرائض منصبی سے روگردانی گورنر نے کی ہے جناب غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ نے نہیں کی۔

غازی صاحبؒ کو شہید کرنے والوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ شہید کی موت قوم کی حیات ہوتی ہے اور شہید کا خون کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ ایک نہ ایک دن رنگ لا کر ہی رہتا ہے۔ تقریباً ستاسی سال قبل ناموس رسالت ﷺ پر قربان ہوجانے والے غازی علم دین شہیدؒ نے اپنی جان کی بازی لگا کر ایک گستاخ رسول کو ٹھکانے لگایا تھا تو مقتول سلمان تاثیر کا والد محمد دین تاثیر (ایم ڈی تاثیر) اس کے جنازے کے لئے اپنے گھر سے چارپائی لا کر اٹھائے پھر رہا تھا کہ شہید ناموس رسالت کو چارپائی مہیا کرنے کا اعزاز حاصل کر سکے۔ اس دور میں ناموسِ رسالت کے خلاف بنایا گیا محاذ، غازی علم دین شہیدؒ کے کاری وار سے ٹوٹ کر پاش پاش ہوگیا۔ اس کارِ عظیم کی وجہ سے اُن کا نام آج بھی ادب واحترام کے ساتھ بچے بچے کی زبان پر زندہ ہے۔ کیا حکمران، کیا فوجی جرنیل اور کیا جج، سب غازی علم الدین شہیدؒ کے در پر کھڑے رو رو کر بھیک

مانگتے نظر آتے ہیں۔ موجودہ آرمی چیف جناب راحیل شریف کے بڑے بھائی فخرِ ملت جناب میجر شبیر شریف شہیدؒ (نشان حیدر) نے اُس قبرستان (میانی صاحب، لاہور) میں دفن کئے جانے کی وصیت فرمائی تھی جس میں غازی علم الدین شہیدؒ استراحت فرما ہیں۔ اور بعد از شہادت جناب میجر شبیر شریف شہیدؒ کی وصیت کے پر عمل کرتے ہوئے انہیں اسی قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔ لیکن غازی علم الدین شہیدؒ کو شہید کرنے والے حکمران اور جج نہ جانے کس گڑھے میں گرے۔ آج اُن کی خاک کا بھی کسی کو علم نہیں۔ غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ نے بھی ایک بلند آہنگ گستاخ رسول اور قانون شکن کو کیفر کردار تک پہنچا کر کارِ عظیم سرانجام دیا ہے۔ غازی صاحبؒ کے اس جرأت مندانہ اقدام سے ناموس رسالت کے خلاف لٹکتی سب زبانیں فوراً گنگ ہوگئی تھیں۔ لیکن موجودہ حکمرانوں نے غازی صاحبؒ کو ماورائے قانون شہید کر کے اُن گنگ زبانوں کو پھر سے کھلنے کا موقع فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ غازی صاحبؒ نے اپنی جان کی بازی لگا کر اپنا نام محافظانِ ناموسِ رسالت کی فہرست میں لکھوالیا ہے جو انشاءاللہ غازی علم الدین شہیدؒ کی طرح تا ابد زندہ وتابندہ رہے گا۔ مگر اُن کی شہادت کے ذمہ داروں کو سوائے رسوائی کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ وہ وقت دور نہیں جب ان نابجاروں کی "داستاں تک نہ ہوگی داستانوں میں"

ممتاز قادری تیری عظمت کو سلام:

شہیدِ ناموسِ رسالت غازی ملک محمد ممتاز قادریؒ کو پھانسی دے کر شہید کرنے والوں نے تو اپنی عاقبت خراب کر ہی لی ہے جبکہ ممتاز قادریؒ کو بعد از شہادت بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں مقبول حاضری اور پذیرائی نصیب ہوئی ہے۔ اسلام آباد کے ایک ولی کامل کے بقول جو خود بھی بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر تھے، جب غازی صاحبؒ کی شہادت ہوئی تو آپؒ سیدھے بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے۔ نبی اکرم ﷺ نے غازی صاحبؒ کا استقبال کیا۔ اور آپؒ کا ماتھا چوم کر اپنے ساتھ دائیں پہلو میں بٹھالیا۔ اور اُس وقت مجلسِ نبوی میں موجود رجال الغیب سے ممتاز قادریؒ کا تعارف آپ ﷺ نے خود کروایا۔ غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ تیری عظمت کو سلام۔ کسی بھی مسلمان کے لئے یہ کیا کم سعادت ہے کہ اُسے بارگاہ رسالت ﷺ میں پذیرائی نصیب ہو جائے۔ اس سعادت کے حصول کے لئے ایک جان کیا، کئی جہان بھی قربان کئے جاسکتے ہیں۔

کروں تیرے نام پہ جاں فدا — نہ بس ایک جاں دو جہان فدا
دوجہاں سے بھی نہیں جی بھرا — کروں کیا کہ کروڑوں جہاں نہیں

حوالہ جات وحواشی

(1) غازی ملک محمد ممتاز قادری شہیدؒ (جو غازی ممتاز حسین قادری شہیدؒ کے نام سے مشہور ہوئے) یکم جنوری 1985ء کو الحاج ملک محمد بشیر اعوان کے ہاں راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ گیارہ بہن بھائیوں میں آپ سب سے چھوٹے تھے۔ جب آپؒ دسویں جماعت کے طالبعلم تھے تو امیر دعوتِ اسلامی مولانا محمد الیاس قادری عطاری رضوی کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپؒ بہت اچھے نعت خواں تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے آپ مضبوط جسم کے ڈیل ڈول والے کڑیل جوان بن گئے اور ابھی آپؒ کی تعلیم جاری تھی کہ اٹھارہ سال دو ماہ کی عمر میں آپ کو پنجاب پولیس ضلع راولپنڈی میں ملازمت مل گئی۔ 2006ء میں آپؒ نے لاہور سے کمانڈو (ایلیٹ) فورس کا کورس کیا اور ماہر نشانہ باز قرار پائے۔ 2008ء میں آپ کی شادی ہوئی اور 29 اکتوبر 2010ء کو آپ کے ہاں پہلا اور اکلوتا بیٹا محمد علی قادری پیدا ہوا۔ آپؒ کے والد محترم فرماتے ہیں کہ ایک دن آپ نے دیکھا کہ جس جگہ علاقہ کی عورتیں گھریلو کوڑا کرکٹ پھینکنے جاتی ہیں وہاں اردگرد اوباش قسم کے چند آوارہ لڑکے گھوم پھر رہے ہیں اور آنے جانے والی عورتوں اور لڑکیوں پر آوازے کس رہے ہیں۔ اُسی دن آپ نے محلّہ کے سب گھروں کے دروازے کھٹکھٹا کر خواتین خانہ سے کہہ دیا کہ آج کے بعد تم کوڑا کرکٹ پھینکنے نہیں جایا کرو گی۔ بلکہ کوڑا کرکٹ شاپر میں ڈال کر گھر کے باہر دروازہ کے پاس رکھ دیا کرو، میں خود وہاں سے اُٹھا کر کوڑے دان میں پھینک کر آیا کروں گا۔ چنانچہ اُسی دن سے محلّہ کی خواتین خانہ گھریلو صفائی کے بعد کوڑا شاپر میں ڈال کر اپنے دروازے کے باہر رکھ دیتیں اور آپ سب گھروں کے باہر پڑے ہوئے یہ کوڑا کے شاپر اُٹھا کر مخصوص جگہ پر رکھے کوڑا دان میں پھینک کر آتے۔ آپؒ کی پاکباز جوانی کا اندازہ لگانے کے لئے یہ واقعہ بہت اہم ہے۔

نومبر 2010ء میں ننکانہ صاحب کے نواحی گاؤں اِٹانوالی میں عیسائی عورت آسیہ مسیح کو جرم توہین رسالت میں سزائے موت سنائی گئی تو گورنر پنجاب سلمان تاثیر نے اسلام اور قانونِ توہینِ رسالت کے خلاف بہت ہرزہ سرائی کی اور خود بھی توہینِ رسالت کا مرتکب ہوا۔ چنانچہ چار جنوری 2011ء کو سوا چار بجے شام آپؒ نے کوہسار مارکیٹ اسلام آباد کے قریب فائرنگ کر کے اُسے جہنم واصل کر دیا۔ آپؒ کے خلاف گورنر کے قتل کا مقدمہ درج ہوا اور سزائے موت سنائی گئی۔ 29 فروری 2016ء کی صبح اڈیالہ جیل راولپنڈی میں آپ کو پھانسی دے کر شہید کر دیا گیا۔ یکم مارچ 2016ء کو لیاقت باغ راولپنڈی میں آپ کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ آپؒ کی نماز جنازہ پر ہونے والا اجتماع ملکی تاریخ میں سب سے بڑا اجتماع قرار پایا۔

(2) آسیہ نامی عیسائی مبلغہ ننکانہ صاحب کے نواحی گاؤں اِٹانوالی چک نمبر 3 گ ب تھانہ صدر ننکانہ صاحب کی رہائشی تھی۔ گاؤں والوں کے مطابق اس کا کردار پورے گاؤں میں قابل اعتراض مشہور تھا۔ مادر پدر آزادی کی دلدادہ اور سرعام قابل اعتراض گفتگو کرنے کی عادی تھی۔ اس کی بڑی بہن کو بچے کی امیدواری ہوئی اور زچگی کے دن قریب آئے تو آسیہ اپنی بہن کے گھر کا کام کاج کرنے اس کے گھر آ گئی۔ اپنی بہن کے گھر چند دن رہائش کے دوران اُس کے خاوند سے ناجائز تعلقات قائم کر لئے۔ اور حاملہ ہو گئی۔ والدین نے حمل چھپانے کی غرض سے شادی کرنا چاہی تو اس نے اپنی بہن کے خاوند عاشق مسیح کے سوا کسی اور سے شادی کروانے سے انکار کر دیا بلکہ بغاوت کر کے زبردستی عاشق کے گھر

رہنے لگی اور عاشق اپنی بیوی کے گھر موجود ہونے کے باوجود راتیں آسیہ کے ساتھ بسر کرنے لگا۔ اس پر بیوی نے سخت احتجاج تو عاشق نے مار پیٹ کر اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا اب اصل بیوی، بے گھر اور سالی گھر والی بن کر زندگی گزارنے لگی۔ آسیہ نے اہل دیہہ اور برادری والوں کے اصرار کے باوجود عاشق کے گھر سے جانے سے انکار کر دیا۔ آسیہ اور عاشق کے اس خلاف مذہب اور غیر اخلاقی اقدام پر عیسائی برادری نے بھی سخت احتجاج کیا اور ان کا معاشرتی بائیکاٹ کرنے کی دھمکیاں دیں لیکن دونوں نے کسی بات کی پروا نہ کی اور شادی کا سوانگ رچا ڈالا۔ آسیہ قدرے پڑھی لکھی اور "روشن خیال" عورت تھی اسی روشن خیالی کی وجہ سے NGO,S کی آنکھ کا تارا بن گئی اور علاقے میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کرنے لگی۔ دیہات میں چونکہ عورتیں کھیتوں میں مزدوری کرتی ہیں، آسیہ نے یہ طریقہ بنا رکھا تھا کہ عورتوں کے ساتھ مزدوری کے بہانے کھیتوں چلی جاتی اور اپنے ساتھ کام کرتی عورتوں کو باتوں باتوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کرتی اور اسلام کے خلاف باتیں کرتی۔ اسی معمول کے مطابق 14 جون 2009ء کو جب گاؤں کی عورتیں ادریس نامی زمیندار کے کھیتوں میں فالسہ کے باغ میں فالسہ توڑنے گئیں آسیہ بھی ان عورتوں میں موجود تھی۔ جب عورتیں دوپہر کا کھانا کھانے بیٹھیں تو آسیہ نے مذہبی گفتگو شروع کر دی۔ دوران گفتگو آسیہ نے نبی اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ جس کی بنا پر مقدمہ درج ہوا۔

(3) دوران گفتگو آسیہ نے نبی اکرم ﷺ اور قرآن مجید کے بارے میں انتہائی نازیبا الفاظ استعمال کیے۔ "نقل کفر کفر نباشد" نعوذ باللہ من ذالک۔ آسیہ کے الفاظ کا خلاصہ اس طرح سے ہے۔ "تمھارے نبی موت سے ایک ماہ قبل سخت بیمار پڑے رہے۔ حتیٰ کی تمھارے نبی کے منہ اور کانوں میں (نعوذ باللہ) کیڑے پڑ گئے تھے۔ تمھارے نبی نے مال و دولت کے لالچ میں خدیجہ سے شادی کی اور مال و دولت بٹورنے کے بعد اسے گھر سے نکال دیا۔ قرآن اللہ کا کلام نہیں بلکہ خود سے بنائی گئی کتاب ہے۔"

(4) آسیہ کے خلاف حسب ذیل FIR درج ہوئی۔

نمبر 326/9 تھانہ صدر ننکانہ ضلع ننکانہ صاحب تاریخ ووقت وقوعہ 14/04/09۔ تاریخ ووقت رپورٹ۔ بحوالہ رپٹ نمبر 23 مورخہ 19-06-09 بوقت 6/15 بجے شام۔ نام وسکونت اطلاع دہندہ ومستغیث: درخواست از ان قاری محمد سالم ولد حافظ غلام جیلانی قوم اعوان سکنہ چک نمبر 3 اِٹانوالی مرسلہ مہدی حسن ASI تھانہ صدر ننکانہ۔

مختصر کیفیت جرم (معہ دفعہ) ومال اگر کچھ کھویا گیا ہے۔ جرم 295/C۔ جائے وقوعہ وفاصلہ تھانہ سے اور سمت۔ بحد رقبہ چک نمبر 3 اِٹانوالی بفاصلہ 7 میل جانب شمال از تھانہ، دستخط محمد رضوان Asi، عہدہ محرر۔ بخدمت جناب SHO صاحب تھانہ صدر ننکانہ صاحب جناب عالی گذارش ہے کہ سائل چک نمبر 3 گ ب اٹانوالی تھانہ صدر ننکانہ صاحب تحصیل وضلع ننکانہ صاحب کا رہائشی ہے اور مسجد صدیق اکبر میں بطور امام مسجد خدمات سرانجام دے رہا ہے مورخہ 14/06/09 کو بروز اتوار ادریس ولد احمد علی قوم آرائیں سکنہ دیہہ کی زمین میں آسیہ زوجہ عاشق مسیح جو عیسائی مذہب کی مبلغہ ہے گاؤں کی دیگر عورتوں جن میں عاصمہ بی بی دختر عبدالستار۔ مافیہ بی بی دختر عبدالستار۔ یاسمین دختر اللہ رکھا شامل ہیں فالسہ توڑ رہی تھیں آسیہ الزام علیہا نے کہا آپ مسلمانوں کے نبی (معاذ اللہ) کیا ہیں وہ وفات سے صرف ایک ماہ قبل

چار پائی پر بیمار پڑے رہے اور تمھارے نبی کے منہ اور کانوں میں کیڑے پڑے۔ اور تمھارے (نبی ﷺ) نے حضرت خدیجہؓ سے محض مال کی خاطر شادی کی اور مال لوٹنے کے بعد انہیں گھر سے نکال دیا۔ مزید قرآن پاک کے متعلق کہا کہ وہ اللہ کا کلام نہیں بلکہ خود بنائی گئی کتاب ہے۔ یہ سب باتیں عاصمہ بی بی۔ مافیہ۔ یاسمین مذکوران ودیگران نے مجھے اور گاؤں کے لوگوں کو بتائیں آج مورخہ: 19/06/09 کو سائل معہ محمد افضل ولد محمد طفیل قوم گجر۔ مختار احمد ولد مشتاق احمد قوم راجپوت ساکنان دیہہ نے عاصمہ بی بی وغیرہ اور آسیہ الزام علیہا کو بلوایا اور 14/06/09 کے وقوعہ کے متعلق آسیہ مذکوریہ سے پوچھا تو اُس نے اقرار کیا کہ مجھ سے واقعی میں نے نبی کریم اور قرآن پاک کی توہین کی مرتکب ہوئی ہوں اور معافی مانگتی ہوں۔ آسیہ مذکوریہ ملزمہ نے توہین رسالت ﷺ اور توہین قرآن کا ارتکاب کر کے مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے دعویدار ہوں آسیہ ملزمہ مذکوریہ کے خلاف توہین رسالت ﷺ اور توہین قرآنِ پاک کرنے پر مقدمہ درج کر کے کاروائی مطابق قانون کی جاوے عرضے دستخط اردو قاری محمد سالم ولد حافظ غلام جیلانی قوم اعوان سکنہ چک نمبر 3 اِٹانوالی تحصیل وضلع ننکانہ (امام مسجد صدیق اکبر چک نمبر 3 اِٹانوالی) کاروائی پولیس: اس وقت میں معہ کینسٹبل ارشد علی 842/C کینسٹبل نبیل نواز 909/C بسواری سرکاری گاڑی نمبری 7631/SAG جس کا ڈرائیور محمد یٰسین نمبر 468/C برائے گشت پُل نہر چندر کوٹ موجود ہوں کہ مسمی قاری محمد سالم مستغیث مذکور نے میرے پیش ہو کر درخواست مضمون بالا میرے پیش کی میں نے سردست جرم 295/C پائی جا کر درخواست ہذا بغرض اندراج مقدمہ بدست کینسٹبل محمد ارشد 842/C ارسال تھانہ ہے مقدمہ درج کر کے نمبر مقدمہ سے اطلاع دی جاوے میں معہ ہمراہی ملازمان بغرض تفتیش روانہ موقع کا ہوتا ہوں نیز سپیشل رپورٹ ہائے جابجا افسران مجاز بھجوائی جاویں دستخط اردو مہدی حسن Asi تھانہ صدر ننکانہ صاحب از پُل نہر چندر کورٹ بوقت 5/45 بجے شام۔ از تھانہ: حسب آمدہ درخواست مضمون بالا مقدمہ عنوان بالا درج رجسٹر کر کے اصل درخواست معہ نقل FIR بغرض تفتیش بدست آرندہ کینسٹبل عقب بوجہ معاملہ سنگین نوعیت محمد ارشد ڈوگر Si ارسال ہے نیز سپیشل رپورٹ ہائے جابجا افسران مجاز بھجوائی جارہی ہیں دستخط اردو محمد رضوان Asi محرر تھانہ صدر ننکانہ صاحب 19/06/09

(5) متن دفعہ 295/C تعزیراتِ پاکستان: رسول اکرم ﷺ کی بابت خلافِ شان الفاظ استعمال کرنا:

”جو کوئی الفاظ سے خواہ وہ منہ سے بولے جائیں یا لکھے جائیں یا لکھے گئے ہوں یا نظر آنے والے نمونوں سے یا کسی اتہام، چالاکی یا کنایہ سے۔ بلاواسطہ یا بالواسطہ مقدس پیغمبر حضرت محمد ﷺ کے متبرک نام کی بے حرمتی کرے تو اُسے موت کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانہ کا بھی مستوجب ہوگا“ (مجموعہ تعزیرات پاکستان)

(6) ضابطے کے مطابق مقدمہ توہینِ رسالت کی تفتیش SP عہدہ کا پولیس آفیسر ہی کر سکتا ہے۔

(7) سید محمد امین بُخاری SP انویسٹی گیشن شیخوپورہ نے اپنی تفتیش میں لکھا: ”حالات کی روشنی میں مسماۃ آسیہ بی بی کا حضور ﷺ کی شان میں اور قرآن پاک کے متعلق گستاخانہ باتیں کرنا ثابت ہوا ہے جو مقدمہ ہذا میں صحیح گنہگار پائی گئی ہے“ (اختتامیہ ضمنی نمبر 5 مرتبہ سید محمد امین بُخاری مورخہ چھ جولائی 2009ء)

(8) فیصلہ مقدمہ نمبر 326/09 بجرم 295/C ت پ سرکار بنام آسیہ، بعدالت جناب محمد نوید اقبال صاحب ایڈیشنل سیشن جج صاحب ننکانہ صاحب، مصدرہ مورخہ 8 نومبر 2010ء

(9) اس وقت ملک میں پاکستان پیپلز پارٹی کی حکومت تھی۔ آصف علی زرداری صدر پاکستان جبکہ سید یوسف رضا گیلانی وزارت عظمٰی کے عہدہ پر فائز تھے۔ دیگر اہم وزراء میں وزیر مذہبی اُمور سید حامد سعید کاظمی، وزیر داخلہ رحمان ملک، وزیر خارجہ شاہ محمود قریشی، وزیر اقلیتی اُمور شہباز بھٹی تھے اور سلمان تاثیر وفاق کی طرف سے پنجاب کا گورنر تھا۔

(10) 21 نومبر 2010ء اور اس کے بعد کے ایام کے اخبارات میں گورنر کے بیانات اور اُن پر عوامی تبصرے شائع ہوئے

[11] روزنامہ ”اُمت“ صفحہ 3 مورخہ 22 نومبر 2010ء، کراچی۔

[12] ایضاً

[13] روزنامہ نوائے وقت، لاہور، 30 نومبر 2010ء۔

[14] روزنامہ نوائے وقت، لاہور، چھ جنوری 2011ء۔

(15) ایضاً

[16] روزنامہ نوائے وقت، لاہور، چھ جنوری 2011ء۔

[17] غازی محمد ممتاز قادری کے خلاف درج ہونے والی FIR کا متن:

نمبر 6/11، تھانہ کوہسار، ضلع اسلام آباد، تاریخ ووقت وقوعہ: 04/01/2011 بوقت 5/15 بجے دن

نام وسکونت اطلاع دہندہ مستغیث: استغاثہ مرتبہ ومرسلہ حاکم خاں SHO/I تھانہ کوہسار اسلام آباد بر تحریری درخواست ازاں شہر یار علی تاثیر ولد سلمان تاثیر مکان نمبر 18 گلی نمبر 3 سیکٹر ایف 6/3 اسلام آباد۔

جرم 7ATA,302/109 PPC

جائے وقوعہ وفاصلہ تھانہ سے اور سمت: کوہسار مارکیٹ پارکنگ، سیکٹر F6/3 بفاصلہ قریب 2 کلومیٹر بجانب شمال مشرق از تھانہ۔

حسب آمد استغاثہ مقدمہ درج رجسٹر ہوا۔ افتخار علی A.S.I.

بخدمت جناب SHO صاحب تھانہ کوہسار اسلام آباد۔ میں شہر یار علی تاثیر ولد سلمان تاثیر ہوں۔ مجھے اطلاع موصول ہوئی کہ مورخہ 04 جنوری 2011ء تقریباً 4:15 بجے سہ پہر میرے والد سلمان تاثیر گورنر پنجاب جب ایک ریسٹورنٹ واقع کوہسار مارکیٹ اسلام آباد سے کھانا کھا کے باہر نکل کر جا رہے تھے تو ان کے ایک سرکاری محافظ ملک محمد ممتاز قادری ایلیٹ فورس نے ان پر اپنے سرکاری اسلحہ سے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جس کے نتیجے میں وہ شدید مضروب ہو گئے۔ ان کو عملہ پولیس اور ملازمین نے پولی کلینک اسلام آباد پہنچایا جہاں پر ڈاکٹروں نے ان کی وفات کی تصدیق کر دی۔ وجہ عناد یہ ہے کہ میرے والد کا اہم قومی امور پر مخصوص نقطہ نظر تھا جس کی وجہ سے مختلف مذہبی اور سیاسی گروہ ان کے خلاف شدید مخالفانہ پروپیگنڈہ کر رہے تھے اور ان کو قتل کی دھمکیاں بھی دی جارہی تھیں۔ میرے والد کو ملزم مذکور بالا نے سیاسی اور مذہبی گروہوں کے ایماء وانگیخت، معاونت اور سازش سے، بہیمانہ طور پر قتل کر دیا ہے۔ دعویدار ہوں کہ کاروائی کی جائے۔ درخواست گذار شہر یار علی تاثیر ولد سلمان تاثیر 04/01/2011

کاروائی پولیس: سائل نے تحریری درخواست بر موقع اس وقت پیش کی جب میں معہ محمد اسد SI، محمد زمان Si، صفدر حسین ASI، تنویر احمد ASI دیگر ملازمان اطلاع وقوعہ پا کر بر موقع۔ پہنچے نعش ازاں مقتول سلمان تاثیر کا فرد صورتِ حال مرتب کر کے بعد تکمیل کاروائی ضابطہ زیرِ حفاظت زیرِ نگرانی محمد ارشد SI، محمد زمان SI برائے پوسٹمارٹم پولی کلینک ہسپتال بھجوائی جارہی ہے۔ تحریر مضمون درخواست وحالات وواقعات سے سردست صورت جرم 302/109 ت پ 7ATA پائی جا کر تحریری درخواست بشکل استغاثہ بغرض اندراج مقدمہ بدست کنسٹبل عبدالرحیم 6147/C ارسال

تھانہ ہے۔ مقدمہ درج کر کے نمبر مقدمہ سے آگاہی بخشی جاوے۔ میں موقع پر مصروف تفتیش ہوں۔ دستخط بحروف انگریزی حاکم خاں انسپکٹر SHO تھانہ کوہسار اِسلام آباد، از موقع کوہسار مارکیٹ سیکٹر F.6 بوقت 05/10 بجے شام 14/01/2011 از تھانہ: حسب آمدہ استغاثہ رپورٹ ابتدائی اطلاعی بجرم مذکور مرتب ہوئی بعد تکمیل ریکارڈ نقول FIR جابجا مجاز افسران کو بذریعہ سپیشل رپورٹ مرسل ہونگی۔ اصل استغاثہ معہ نقل FIR بدست آرندہ کنسٹیبل عقب فرسندہ SHO صاحب بمراد تفتیش ارسال ہے۔ افتخار علی ASI تھانہ کوہسار اِسلام آباد 04/01/2011

[18] روزنامہ وقت، لاہور، 5 جنوری 2011ء۔

(19) دہشت گردی عدالت 2 راولپنڈی کے جج ملک اکرم اعوان نے ممتاز قادری کے مقدمہ کی سماعت سے انکار کر دیا تو سپیشل کورٹس لاہور میں تعینات جج پرویز علی شاہ کو خصوصی طور پر ٹاسک دے کر لاہور سے راولپنڈی تبدیل کیا گیا۔ اور پرویز علی شاہ نے انصاف و قانون کے تقاضے بالائے طاق رکھتے ہوئے عجلت میں "ٹاسک" کے مطابق غازی صاحب کو سزائے موت سنادی اور فوری طور پر اپنی فیملی سمیت بیرونِ ملک چلا گیا۔

(20) گورنر سکواڈ میں موجود 29 ایلیٹ اہلکاران اور گورنر کے ساتھ کھانا کھانے والا شیخ وقاص وقوعہ کے چشم دید گواہ تھے۔ لیکن عدالت نے ان میں سے کسی کو بھی بطور گواہ طلب نہ کیا۔

(21) یکم اکتوبر 2011ء کو انسداد دہشت گردی عدالت ii راولپنڈی میں غازی صاحب کے مقدمہ پر بحث کی تاریخ مقرر تھی۔ سرکاری وکیل نے اس روز تحریری بحث پیش کی جسے پڑھ کر غازی صاحب کے وکلاء نے جوابی بحث کرنا تھی لیکن سرکاری وکیل کی تحریری بحث کے بعد عدالت نے غازی صاحبؒ کے وکلاء کو جوابی بحث کا موقع دیئے بغیر اسی دن جلد بازی میں غازی صاحب کو سزائے موت کا فیصلہ سنادیا۔

[22] روزنامہ نوائے وقت، 2 اکتوبر 2011ء راولپنڈی ۔

(23) سوشل میڈیا پر کشمیر سنگھ کے حوالے سے دستیاب معلومات کے مطابق کشمیر سنگھ ولد سنسار سنگھ بھارتی ضلع ہوشیار پور کا رہنے والا ایک بھارتی جاسوس تھا۔ جس نے 1962ء انڈین آرمی میں شمولیت اختیار کی۔ 1971ء میں پاکستان کو دولخت کرنے میں 85% کردار ادا کیا۔ بنگلہ دیش کو پاکستان سے الگ کرنے کے منصوبہ کی تکمیل کے بعد بقیہ پاکستان کے حصے بخرے کرنے کا ٹاسک لے کر کشمیر سنگھ الیکٹرونک سامان کے ایک تاجر کے روپ میں پاکستان میں داخل ہوا اور ملک کے مختلف حصوں میں اپنا گھناؤنا کردار ادا کر کے انتشار اور بدامنی پھیلاتا رہا۔ 1973ء میں روالپنڈی پولیس نے اسے ایک ساتھی سمیت گرفتار کر لیا اور تفتیش کرنے پر اس نے برملا انکشاف کیا کہ وہ انڈین جاسوس ہے اور پاکستان میں بدامنی پھیلانے اور ملک کو توڑنے کے منصوبے پر مسلسل کام کر رہا ہے۔ اس کے خلاف فوجی عدالت میں مقدمہ چلا اور اسے سزائے موت سنائی گئی۔ لیکن 37 سال تک پاکستانی جیلوں میں رہنے کے باوجود اسے پھانسی نہ دی گئی۔ 1908ء کو پاکستان میں انسانی حقوق کے نام نہاد ٹھیکیدار انصار برنی اور عاصمہ جہانگیر نے انڈین حکومت سے ساز باز کر کے پرویز مشرف کو رام کیا [illegible] مارچ 2016ء پیر رات 08:24 بجے قومی مجرم کو کوٹ لکھپت جیل لاہور کی موت کی

کوٹھڑی سے نکال کر سرکاری پروٹوکول کے ساتھ واہگہ بارڈر پر انڈیا کے حوالے کر دیا واہگہ بارڈر پر انڈین آرمی، عوام اور کشمیر سنگھ کے رشتہ داروں نے اس کا اس طرح استقبال کیا جس طرح ایک قومی ہیرو کا استقبال کیا جاتا ہے۔ صوبائی وزیر انفارمیشن بکرم سنگھ منجیٹا اور ہوشیار پور کے ایم۔ پی اونیش رائے کھنہ اور دیگر کئی سرکاری عہدیداروں نے اسے خوش آمدید کہا اور اس پر پھولوں کی بارش کی۔ اسے رہائی دلوانے میں اہم کردار ادا کرنے والے انصار برنی کو بھارت کے دورے کی دعوت بھی دی اور پنجاب کے وزیر اعلیٰ پرکاش سنگھ بادل نے کشمیر سنگھ اور اس کی بیوی کے لیے ماہانہ پانچ ہزار روپے پینشن کا اعلان کیا۔ انڈیا میں جاتے ہی اس نے پریس کانفرنس کی اور اعلان کیا کہ وہ بھارتی جاسوس تھا اور آئندہ بھی موقع ملا تو ملک کی خدمت کے لیے ہر ممکن کام کرے گا۔ اس نے کہا کہ وہ پاکستان میں فوجی تنصیبات کا کھوج لگانے اور ٹینکوں اور گنوں کی ساخت کا اندازہ کرنے اور فوجی انداز بھانپنے کے لئے پاکستان گیا تھا۔ اگرچہ انصار برنی کو پہلے ہی علم تھا کہ وہ ایک خطرناک بھارتی جاسوس کو ملکی عزت و وقار کی قیمت پر آزادی دلوا رہا ہے۔ لیکن جب کشمیر سنگ نے انڈیا میں جا کر ببانگ دھل اپنے جاسوس ہونے کا اعلان کر دیا تو انصار برنی نے ڈھٹائی سے کہنا شروع کر دیا کہ "اُس نے اِنسانی بنیادوں پر کشمیر سنگ کو رہائی دلوائی ہے اِسے اِس سے کوئی سروکار نہیں کہ اس کا جرم کیا ہے اور اس کے عزائم کیا ہیں۔" APP نے وزارتِ انسانی حقوق کے ذمہ داروں کے حوالے سے رپورٹ میں کہا ہے کہ انڈین وفود گذشتہ بارہ سالوں سے انصار برنی کے ساتھ کشمیر سنگھ کے حوالے سے رابطے میں تھے اور اس کی رہائی کے لئے کوشاں تھے جس میں وہ بالاخر کامیاب ہو گئے۔

(24) سعید آسی، کشمیر سنگھ سے کلبھوشن تک، روزنامہ نوائے وقت لاہور صفحہ 3 مورخہ یکم اپریل 2016ء

(25) حسین حقانی، روزنامہ نوائے وقت لاہور صفحہ 3 مورخہ دو مئی 2016ء

(26) شہزاد چغتائی، روزنامہ نوائے وقت، 18 مارچ 2016ء لاہور۔

(27) اسد اللہ خاں غالب، مشرف کا فرار، روزنامہ نوائے وقت، صفحہ 3، 19 مارچ 2016ء لاہور۔

(28) ادارتی بورڈ، روزنامہ نوائے وقت، ادارتی صفحہ، 18 مارچ 2016ء لاہور۔

(29) ادارتی بورڈ، روزنامہ نوائے وقت، ادارتی صفحہ کالم 4، 19 مارچ 2016ء لاہور۔

(30) سعید آسی، کشمیر سنگھ سے کلبھوشن تک، روزنامہ نوائے وقت لاہور صفحہ 3 مورخہ یکم اپریل 2016ء

(31) سعید آسی، انا للہ وانا الیہ راجعون، روزنامہ نوائے وقت، صفحہ 4، 19 مارچ 2016ء لاہور

(32) قیوم نظامی، روزنامہ نوائے وقت، ادارتی صفحہ، 19 مارچ 2016ء، لاہور۔

(33) نعیم مسعود، روزنامہ نوائے وقت، ادارتی صفحہ، 11 اپریل 2016ء، لاہور۔

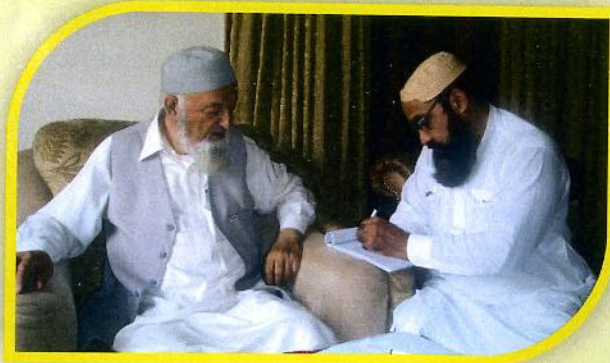
(34) نواز رضا، اسلام آباد نوٹ بک، روزنامہ نوائے وقت، صفحہ 7، 21 مارچ 2016ء، لاہور۔

(35) محمد اکرم چوہدری، روزنامہ نوائے وقت، ادارتی صفحہ، 21 مارچ 2016ء، لاہور۔

(36) عارفہ صبح خاں، تجاہل عارفانہ، روزنامہ نوائے وقت، ادارتی صفحہ، 5 اپریل 2015ء، لاہور

(37) موجودہ پاکستانی میڈیا کے کردار پر یہ صرف میری رائے نہیں بلکہ اب تو شعبہ صحافت سے وابستہ افراد بھی



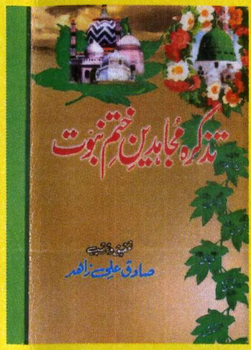


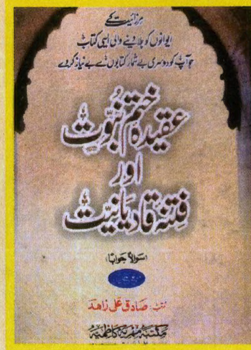
میڈیا کے اس گھناؤنے کردار پر چیخ رہے ہیں۔نوائے وقت میں ''مکتوبِ امریکہ'' کے عنوان سے مستقل لکھنے والی سنیئر کالم نگار طیبہ ضیا چیمہ، کا اس سلسلہ میں دُکھ بھرا تجزیہ ملاحظہ ہو۔آپ لکھتی ہیں:

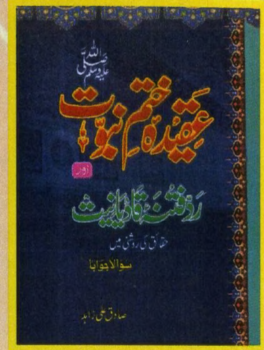
''پاکستان کا سیاسی اور اخلاقی ماحول اس قدر افسوس ناک ہوتا جا رہا ہے کہ یہاں ہر شریف بندہ اپنی عزت سنبھال کر بیٹھنے کو ترجیح دیتا ہے۔الا ماشاء اللہ قلم بک گئے، ٹاک شوز بک گئے، ضمیر بک گئے۔مزید دُکھ کہ عوام بھی جھوٹ اور سچ میں تمیز کھو رہے ہیں۔جو زیادہ چلا کر بولے اُسے سُنتے ہیں دِھیمی آواز والے جھوٹے سمجھے جانے لگے ہیں۔اور جو زیادہ جھوٹ لکھے اور بولے اُسے سچ سمجھا جانے لگا ہے۔پاکستان میں جھوٹ اور منافقت کی وبا اس قدر پھیل چکی ہے کہ سچ پر بھی جھوٹ کا گمان ہونے لگا ہے۔..........شعبہ صحافت کا احتساب اس جہان میں تو ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ان کا جو ہوگا اب اگلے جہان میں ہی ہوگا۔اس نفسا نفسی کے دور میں بھلا کوئی کسی کے حق یا مخالفت میں بلا معاوضہ وقت ضائع کر سکتا ہے؟ لوگوں کو اپنے کچن چلانے کے لئے الا ماشاء اللہ سیاسی و عسکری اداروں سے مفادات اور مراعات لیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔کوئی کسی کے لیے ایک جملہ لکھنے بولنے کا روادار نہیں۔..........سیاست اور صحافت میں ماشاء اللہ ایسے لوگوں کی کثیر تعداد پائی جاتی ہے جنھوں نے زمانہ کی محرومیاں دیکھیں اور پھر ناجائز طریقوں سے دولت مند ہوئے اور اب اُن محرومیوں کو اپنے زہر آلود قلم اور زبان سے تسکین پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔درحقیقت حسد اور احساسِ کمتری میں مبتلا یہ طبقہ جملوں کی دہشت گردی سے پورے معاشرے کو بیمار کرنا چاہتا ہے۔..........قلم کو جہاد قرار دیا گیا ہے۔بندہ جب لکھے تو کسی دباؤ، لالچ اور مفاد سے بالاتر ہو کر لکھے۔بھلے کسی کو اچھا لگے یا برا۔مگر اپنے ضمیر سے لکھے خواہ ملازمت رہے یا جائے رازق مالک ہے۔لیکن حسد اور احساسِ کمتری کے مارے پڑھے لکھے جاہلوں کے ہاتھوں میں کُرسی اور میڈیا آجائے تو معاشرے کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔پاکستان کی موجودہ صورت حال میں نام نہاد عقلمند اور دانشور لکھتے رہیں گے کہ اُن کے بنک بھرتے رہیں (روزنامہ نوائے وقت، لاہور صفحہ 2، 2 مئی 2016ء)

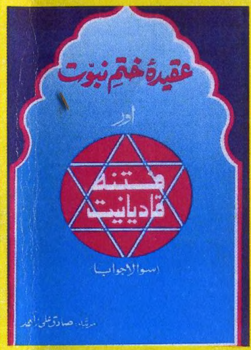
(38) اسلامی جمہوریہ پاکستان کا دستور، جدول سوم، عہدوں کا حلف۔

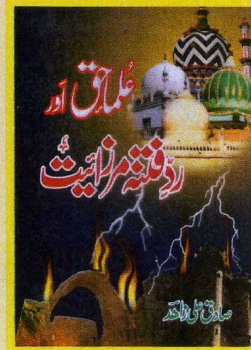
..........☆☆☆..........

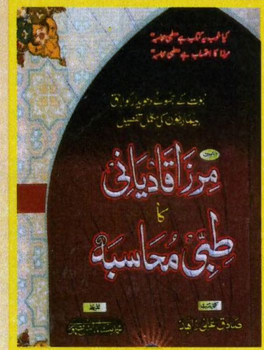






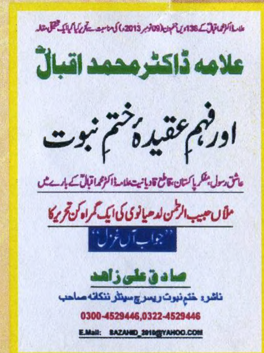












ختم نبوت ریسرچ سنٹر ننکانہ صاحب

0300-4529446

sazahid_2010@yahoo.com